ماہنامہ

صدائے شبلی

حیدرآباد

ستمبر September 2025

Urdu Monthly
SADA E SHIBLI
Hyderabad
ISSN: 2581-9216

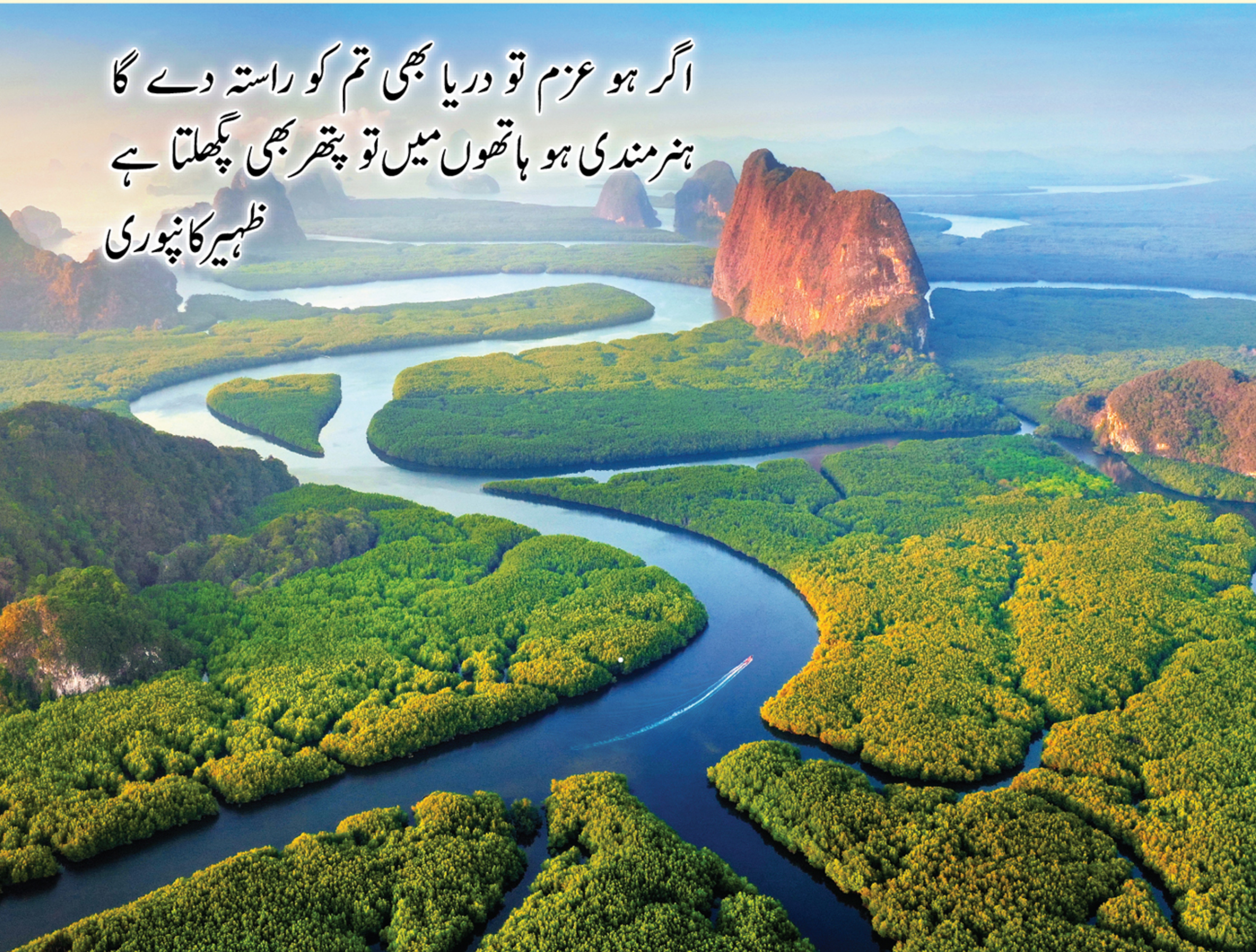

ایڈیٹر مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

قیمت: -/30 روپے

www.shibliinternational.com

MEEQAAT
Tours & Travels
14 Days package

PACKAGE INCLUDES
- Saudi Airlines Direct Visa
- 90 Days Umrah Visa
- Star Hotels In Makkah Madinah
- Hyderabadi Hygenic Food
- A/C Luxury Bus Transportation
- Ziyarath Of Holy Places With Guide

COMPLEMENTARY
- Laundry Services
- Luggage Bag
- Shoulder Bag
- Slipper Bag
- Umrah guide book
- ID Card,Tawaf Tasbih
- 05 Litres Zam Zam

MEEQAAT EXCLUSIVE
- 1st Umrah With Muallim from HYD
- 2nd Umrah from Masjid e Jurana
- 3rd Umrah from Taif Meeqat
- 4th Umrah from Sulah Hudaybiyyah
- Taif City & Badar Ziyarath
- Makkah Museum

DEPARTURES	ARRIVALS	SEATS
04-AUG-2025	18-AUG-2025	AVAILABLE
10-AUG-2025	24-AUG-2025	AVAILABLE
25-AUG-2025	08-SEP-2025	AVAILABLE

FLIGHT
السعودية SAUDIA
ROUTE
HYD-JED-HYD

BEST PRICE

SARWAT UL MANSIA
MAKKAH HOTEL/SIMILAR

DIYAR AL HABIB
MADINAH HOTEL/SIMILAR

MK SQUARE,AZAMPURA,CHADERGHAT,HYDERABAD,TELANGANA,500036,INDIA

M ANAS QASMI
9848698952

OFFICE NO.
7675934738

M ILYAS NADVI
9000651571

meeqat-tours-and-travels

MEEQAAT
TOURS & TRAVELS

BEST SERVICE

BEST PRICE!

UMRAH PACKAGES
- Flight Ticket (Direct Flights)
- Umrah Visa
- Accommodation @ Makkah 300 Mtr
- Accommodation @ Madinah - 200 Meters
- Daily- Hyderabadi Hygienic Food
- Transportation In A/C Coach
- Zam Zam (05 Litres) At Airport
- Laundry Services
- Shoulder Bag & Id Card
- Booking Of Appointment @ Riyaz Ul Janna

Departures
- 07-SEP-2025
- 13-SEP-2025
- 17-SEP-2025
- 24-SEP-2025

BOOK NOW

M ANAS QASMI
9849698952

OFFICE NUM
7675934738

M ILYAS NADVI
9000651571

MK Square, Azampura, Chaderghat, Hyderabad, Telangana 500036, Hyderabad, India, Telangana

ماہنامہ حیدرآباد

صدائے شبلی

Monthly Hyderabad

SADA E SHIBLI

ستمبر Sep 2025 جلد: Vol: 8 شمارہ: Issue: 91

ISSN: 2581-9216

مدیر:

ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

نائب مدیران:

ڈاکٹر عبدالقدوس

ڈاکٹر سراج احمد انصاری

ڈاکٹر بشیر النساء

قیمت فی شمارہ:	30/-
سالانہ:	360/-
رجسٹرڈ ڈاک:	450/-
بیرونی ممالک:	50/- امریکی ڈالر
خصوصی تعاون:	2000/-

SADA E SHIBLI
A/c: 1327102000023922
Ifsc: IBKL0001327
IDBI Bank: CHARMINAR HYD, T.S

Email: sadaeshibli@gmail.com

Mob: 9392533661 - 8317692718

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد میں مقالہ نگاران سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

مجلس مشاورت:

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی۔ پروفیسر مظفر علی شہہ میری

پروفیسر محسن عثمانی ندوی۔ پروفیسر ابوالکلام

پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی۔ پروفیسر صدیقی محمد محمود

ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی۔ مفتی محمد فاروق قاسمی

مولانا ارشاد الحق مدنی۔ ڈاکٹر نادر المسدوسی

الحاج سید عظمت اللہ بیابانی۔ مولانا محمد مساعد ہلال احیائی

اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ۔ محمد سلمان انجینئر

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد رفیق۔ ڈاکٹر حمران احمد۔ ڈاکٹر ناظم علی

ڈاکٹر مختار احمد فردین۔ ڈاکٹر غوثیہ بانو۔ ڈاکٹر مفتی سہیل ندوی

ڈاکٹر سید امام حبیب قادری۔ ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی

ڈاکٹر سمیہ تمکین۔ ڈاکٹر صالحہ صدیقی۔ ڈاکٹر نوری خاتون

ڈاکٹر فریدہ تبسم۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان

ڈاکٹر آصف لئیق ندوی۔ ڈاکٹر مظفر علی ساجد

مولانا عبدالوحید ندوی۔ مولانا ڈاکٹر احمد نور عینی

تشکیل انور رزاقی۔ محسن خان۔ قاری زاہد ہریانوی

ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگی

محمد محامد ہلال (اونر، پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر) نے دائرہ الیکٹرک پریس میں چھپوا کر حیدرآباد تلنگانہ سے شائع کیا

خط و کتابت کا پتہ

MOHD MUHAMID HILAL #17-6-352,
B1, 2nd Floor,Bafana Complex,
Dabirpura Road, Purani Haveli,
Hyderabad- 500023. T.S

فہرست مضامین

۱	**اپنی بات**	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۵
۲	اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ شبلی نعمانیؒ	۶
۳	فتنۂ قادیانی (قرآن وسنت کی روشنی میں)	مولوی حبیب الرحمٰن	۷
۴	رب کو اسم محمدؐ میں نقطہ گوارانہ ہوا اور ہم میلاد جلوس کا تقدس پامال کر رہے.....	پروفیسر ابوزاہد شاہ سید وحید اللہ حسینی	۱۰
۵	نقوشِ اقبال اور حضرت مولانا علی میاں ندویؒ - ایک فکری وادبی جائزہ	ڈاکٹر مفتی سہیل ندوی	۱۳
۶	الحاج الماس خان: نظام آباد کی ہمہ گیر شخصیت	مجید عارف نظام آبادی	۱۷
۷	سوشل میڈیا کا غلط استعمال، خاندان اور سماج مختلف مسائل کا شکار!	سرفراز احمد قاسمی	۱۹
۸	**غزل**	فرید سحر	۲۳
۹	دُرِّ یتیم: سیرت النبیؐ کے موضوع پر کتابوں کی کتاب	عبدالرحمن پاشا	۲۴
۱۰	**غزل**	پروین شاکر	۲۶
۱۱	نیا سفر ہے نئی منزلیں بلاتی ہیں	محمد عبدالحفیظ اسلامی	۲۷
۱۲	علامہ اقبال کی شخصیت اور فکر	حفصہ بیگ بنت الطاف بیگ	۳۰
۱۳	**غزل**	افروزہ نور	۳۴
۱۴	آہ! جناب ظہیر الدین علی خان، سماج ومعاشرہ کا ایک چمکتا ستارہ	صحافی محمد نصر اللہ خان	۳۵
۱۵	**غزل**	قمر صدیقی	۳۸
۱۶	آخری صدا (افسانہ)	سیدہ تبسم	۳۹

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' کے خصوصی معاونین

جناب ابوسفیان اعظمی، مقیم حال ممبئی

جناب محمد یوسف بن الحاج محمد منیر الدین عرف ولی مرحوم، حیدرآباد

مفتی محمد فاروق قاسمی، صدر علماء کونسل وجے واڑہ، آندھرا پردیش

الحاج سید عظمت اللہ بیابانی، وجے نگر کالونی، حیدرآباد

مولانا منصور احمد قاسمی، معین آباد، تلنگانہ

الحاج رئیس احمد اقبال، انجینئر صدر سہارا ویلفیئر سوسائٹی، حیدرآباد

الحاج محمد زکریا انجینئر (داماد استاذ الاساتذہ حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ)

ڈاکٹر شہباز احمد، پروفیسر گورنمنٹ نظامیہ طبی کالج چار مینار، حیدرآباد

مولانا محمد عبدالقادر سعود، نائس جوس سینٹر سکندرآباد، حیدرآباد

الحاج محمد قمر الدین، نبیل کالونی بارکس حیدرآباد

الحاج محمد عبدالکریم، صدر مسجد اشرف کریم کشن باغ، حیدرآباد

اپنی بات

سروپلی رادھا کرشنن کی یومِ پیدائش 5 ستمبر کے موقع پر انھیں کی خواہش کے مطابق ہمارے ملک ہندوستان میں یومِ اساتذہ منایا جاتا ہے۔ رادھا کرشنن صاحب فلسفی، سیاست داں، آزاد بھارت کے دوسرے نائب صدر اور اس کے بعد صدر کے عہدے پر فائز ہوئے، جب وہ صدر ہوئے تو ان کے شاگردوں اور دوستوں نے ان کی سالگرہ منانے کی اجازت مانگی تو انہوں نے جواباً لکھا 'میری یومِ پیدائش منانے کے بجائے اگر 5 ستمبر کو یومِ اساتذہ منایا جائے تو مجھے زیادہ فخر ہوگا۔ سابقہ صدر کی فکر یہی رہی ہوگی کہ یومِ اساتذہ اگر منایا گیا تو اساتذہ کی آن بان شان میں اضافہ ہوگا اور اساتذہ اپنے منصب کا پرخلوص خیال رکھیں گے۔ شروع کے کچھ سالوں میں 5 ستمبر کو اساتذہ کی عزت افزائی کی گئی، پھر اس کے بعد یومِ اساتذہ کو تعلیمی تعطیل کر دی گئی اور نصف یوم میں کلچرس پروگرام ہوتے ہیں ان پروگراموں میں اساتذہ کے انداز و بیان کی نقالی کی جاتی ہے یا اساتذہ کو مطمحِ مذاق بنایا جاتا ہے جس کی وجہ سے اساتذہ کا احترام رفتہ رفتہ طلباء و طالبات کے ذہن سے کم ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے۔

یومِ اساتذہ گویا کہ جس مقصد کے تحت شروع کیا گیا تھا اس مقصد سے بیشتر حصہ ہٹ چکا ہے، اسکول، مدارس، کالجس یونیورسٹی کے اساتذہ ہی مستقبل کے معمار ہوتے ہیں جس پروگرام سے اساتذہ کی قدر گھٹ جائے یا مقصد تعلیم میں کمی آ جائے تو ایسے پروگرام کو یا تو بند کر دینا چاہیے یا پھر اس کی اصلاح کی جائے، یومِ اساتذہ ایک ایسا دن ہے کہ جس میں استاذ اپنا محاسبہ کرتا ہے کہ میں اپنے منصب پر کھرا اترتا ہوں کہ نہیں؟ اگر ہاں میں جواب ہے تو انھیں چاہیے کہ وہ مزید اپنے پیشۂ تدریس کو اچھا بنائیں اور اگر ناں میں جواب ہے تو اس صورت میں یا تو پیشۂ تدریس سے کنارہ کش ہو جائیں یا پھر غلطیوں کو دور کریں اور منصب کا پورا پاس ولحاظ رکھیں۔ آج جو معاشرہ میں اخلاقی گراوٹیں بڑی تیزی سے پھیل رہی ہیں اکثر بے ادب ہو کر بے نصیب بن رہے ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ جیسے طالب علموں کو اپنے اساتذہ کی قدر کرنی چاہیے نہیں کر رہے ہیں اور اساتذہ بھی اپنے معیار پر کھرے نہیں اُتر رہے ہیں، معاشرہ، ملک، سماج کی بھلائی کا دار و مدار اساتذہ پر منحصر ہے، انتظامیہ، ارباب حل وعقد پر یہ ذمہ داری لازمی ہوتی ہے کہ تعلیم کو تربیت سے ضرور جوڑیں یہ لازم ملزوم ہے۔

اگر ہم اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی بعثت، معلم کی حیثیت سے ہوئی اور انہوں نے پورے عالم کو حرا سے ہرا کر دیا۔

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور ایک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

محمد محامد ہلال اعظمی

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانیؒ

حضرت جویریہؓ

حضرت جویریہؓ حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں، قبیلہ بنی مصطلق کا سردار تھا، مسافع بن صفوان سے شادی ہوئی تھی، جو غزوۂ مریسیع میں قتل ہوا، اس لڑائی میں کثرت سے لونڈی غلام مسلمانوں کے ہاتھ آئے، ان ہی لونڈیوں میں حضرت جویریہؓ بھی تھیں، جب مالِ غنیمت کی تقسیم ہوئی تو وہ ثابت ابن قیس بن شماسؓ انصاری کے حصہ میں آئیں۔

اسلام میں اگر آقا راضی ہو تو لونڈی غلام کچھ رقم ادا کرکے آزاد ہوسکتے ہیں، اس طریقہ کو فقہاء کی اصطلاح میں کتابت کہتے ہیں، اسی اصول کے موافق حضرت جویریہؓ مکاتبہ بن گئیں، ان کو شرط کے موافق ۹ اوقیہ سونا ادا کرنا تھا لیکن یہ رقم ان کی استطاعت سے بہت زیادہ تھی وہ رسول اللہ کے پاس آئیں اور کہا ''یا رسول اللہ ﷺ! میں مسلمان کلمہ گو عورت اور جویریہ حارث کی بیٹی ہوں، جو اپنی قوم کا سردار ہے، مجھ پر جو مصیبتیں آئیں ہیں، وہ آپ ؐ سے مخفی نہیں، میں ثابتؓ بن قیس کے حصہ میں آئی اور ۹ اوقیہ سونے پر ان سے عہدِ کتابت کیا، یہ رقم میرے امکان میں نہ تھی لیکن میں نے آپ ؐ کے بھروسہ پر اس کو منظور کرلیا اور اب آپ ؐ سے اس کا سوال کرنے کے لیے آئی ہوں'' آپ ؐ نے فرمایا ''تو کیا تم کو اس سے بہتر چیز کی خواہش نہیں؟'' انھوں نے کہا وہ کیا چیز ہے؟ آپ ؐ نے فرمایا میں یہ رقم ادا کردیتا ہوں اور تم سے نکاح کرلیتا ہوں، وہ راضی ہوگئیں، آپ ؐ نے ثابتؓ بن قیس کو بلایا، وہ بھی راضی ہوگئے، آپ ؐ نے رقم ادا کی اور ان کو آزاد کرکے نکاح کرلیا، یہ چرچا پھیلا تو لوگوں نے قبیلۂ بنی مصطلق کے تمام لونڈی غلاموں کو اس بنا پر آزاد کردیا کہ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں سے رشتۂ مصاہرت قائم کرلیا، آزاد شدہ غلاموں کی تعداد ایک روایت میں سات سو بتائی گئی ہے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ''جویریہؓ کی برکت سے سیکڑوں گھرانے آزاد کردیے گئے''، بعض روایتوں میں ہے کہ آنحضرت ﷺ سے خود حضرت جویریہؓ نے یہ خواہش ظاہر کی تھی اور آپ ؐ نے تمام قیدیوں کو ان پر ہبہ کردیا تھا۔

حضرت جویریہؓ نے ۵۰ہجری میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں، اس وقت ان کا سن ۶۵ برس کا تھا۔

حضرت ام حبیبہؓ

رملہ نام اور ام حبیبہؓ کنیت تھی، آنحضرت ﷺ کی بعثت سے ۱۷ سال پہلے پیدا ہوئیں، اور عبید اللہ بن جحش سے عقد ہوگیا، آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے تو دونوں مشرف باسلام ہوئے اور حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ کی، ایک روایت ہے کہ ان کی بیٹی حبیبہ جن کی کنیت کے ساتھ وہ مشہور ہیں، حبشہ ہی میں پیدا ہوئیں، حبشہ میں جا کر عبید اللہ بن جحش نے عیسائیت قبول کرلی لیکن ام حبیبہؓ اسلام پر قائم رہیں، اختلاف مذہب کی بنا پر عبید اللہ بن جحش نے ان سے علاحدگی اختیار کی اور اب وہ وقت آگیا کہ ان کو اسلام اور ہجرت کی فضیلت کے ساتھ ام المومنین بننے کا شرف بھی حاصل ہو۔

(سیرۃ النبیؐ، جلد: دوم، ص: ۳۳۳-۳۳۴)

مولوی حبیب الرحمن۔حیدرآباد

فتنۂ قادیانی

قرآن وسنت کی روشنی میں

٣) آدمؑ تا محمد مصطفیؐ تک جتنے پیغمبر آئے ہیں وہ سب کے سب آزاد تھے وہ کسی کے غلام نہ تھے۔

٣) مرزا صاحب کا اپنے نام ''غلام احمد'' ہی سے احمد کا غلام ہونا ثابت ہے۔غلام چونکہ نبی نہیں سکتا۔ اس لئے مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت جھوٹا ہے۔

٤) اللہ کے نبی جہاں وفات پاتے ہیں وہیں دفن کئے جاتے ہیں۔(نوٹ:٣)

٤) مرزا غلام احمد کی وفات لاہور میں ہوئی لیکن دفن قادیان میں کئے گئے۔اس لحاظ سے بھی مرزا صاحب نبی نہیں ہوسکتے۔

نوٹ:٣۔ نبیﷺ کی وفات پر آپؐ کے دفن کرنے کا مسئلہ جب پیدا ہوا تو سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے یہ ارشادِ رسولؐ سنایا ما من نبی یقبض الا دفن تحت مضجعه ''اللہ تعالیٰ کو اپنے نبی کو جہاں دفن کرانا منظور ہوتا ہے وہیں نبی کو وفات دیتا ہے''

٥) اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبر اپنے کسب سے پیغمبر نہیں بنے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیغمبر بنایا ان تمام حضرات کی نبوت وھبی ہے کسبی نہیں۔

٥) مرزا صاحب کا دعویٰ ہے کہ ان کو نبوت ان کے کسب سے حاصل ہوئی۔اپنے اس دعوے کی دلیل میں صراط الذین انعمت علیھم پیش کرتے ہیں، جس کے غلط ہونے کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

٦) اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبر اپنی نبوت کا اعلان کرنے سے پہلے کسی بھی قسم کا کوئی دعویٰ نہیں کئے۔ چنانچہ نبیﷺ نے اپنی نبوت کا اعلان کرنے سے پہلے کسی بھی قسم کا اعلان نہیں فرمایا۔

٦) مرزا صاحب ابتداءً اپنے محدث' مجدد' امام زماں' مہدی' مریم' مثلِ مسیح ہونے کے دعوے پر دعوے کرتے چلے گئے۔اس لحاظ سے بھی ان کا دعویٰ نبوت جھوٹا ہے۔

٧) اللہ تعالیٰ کے کسی بھی پیغمبر نے سابقہ پیغمبروں سے اپنے آپ کو افضل قرار نہیں دیا چنانچہ نبیﷺ نے اس معاملے میں تاکید کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے۔(نوٹ:٤)

٧) مرزا صاحب نے اپنے آپ کو بشمول نبیﷺ کے تمام نبیوں سے افضل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اس قسم کی باتیں ایک جھوٹا نبی ہی کرسکتا ہے۔

نوٹ:٤۔ الف) مجھ کو نبیوں کے درمیان ممتاز نہ ٹھہراؤ (متفق علیہ)

ب) اللہ کے نبیوں میں کسی کو دوسرے پر فضیلت نہ دو (بخاری)

ت) کسی شخص کو نہیں چاہئے کہ وہ کہے میں یونسؑ بن متی سے

بہتر ہوں (متفق علیہ)

ج) جس شخص نے کہا کہ میں یونسؑ بن متی سے بہتر ہوں اس نے جھوٹ کہا (بخاری)

۸) اللہ تعالیٰ کے کسی بھی پیغمبر نے اپنی تبلیغ واشاعت کا کوئی معاوضہ قوم سے طلب نہیں کیا، جیسا کہ ارشاد ہے: قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ (الفرقان: ۵۷) ''کہہ دو کہ میں تم سے اس (کام) کی اجرت نہیں مانگتا''
۸) مرزا صاحب نے اپنی نبوت کی دہائی دے کر اپنے ین کو مختلف طریقوں سے بٹورا۔ نوٹ: ۵

نوٹ ۵: اپنی اور اپنے اہلِ بیت اور اپنی خاص جماعت کی تصویریں اتروا کر بیچ کر لاکھوں روپیہ حاصل کئے۔ کتاب ندارد مگر کتاب کی قیمت پیشگی وصول کی گئی۔ ایک کتاب کے دو نام رکھ کر دونوں نام کی قیمت وصول کی گئی۔ زکوٰۃ دینے کی ترغیب وترھیب اس غرض سے کی جاتی کہ اپنی تصنیفات اس سے خریدی جائیں۔ منارالمسیح جس میں گھڑی اور لالٹین لگائی گئی اس کی تعمیر کے لئے دس ہزار کا چندہ وصول کیا گیا۔ پریس، کاغذات اور کاپی نولیس کے واسطے ڈھائی سو روپیہ کا ماہانہ چندہ کیا جاتا۔ دعا کی اجرت پیشگی لی جاتی۔ مسجد ومدرسے کے نام سے بھی چندہ جمع کیا جاتا۔ بہشتی مقبرہ کے نام سے ایک مقبرہ کی بنیاد ڈالی جس میں دفن ہونے کی شرط یہ لگائی کہ دفن ہونے والا اپنی جائیداد کے دسویں حصہ کی وصیت کردے۔ قادیان کو ارضِ حرم قرار دیا (اور تشین صفحہ ۵۲) مکہ اور مدینہ دونوں قادیان ہی کے نام قرار دیئے۔ لوگ معمولی اور نفلی طور پر بھی حج کرنے جاتے ہیں مگر اس جگہ نفلی حج سے زیادہ ثواب ہے (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۵۲) اس طرح قادیان کی زیارت کے لئے آنے والے مرزا صاحب کے لئے آمدنی کا اچھا ذریعہ بنے۔ مرزا صاحب کا حکم ہے کہ جو لنگر میں چندہ نہ دے وہ اسلام سے خارج ہے۔ یہ تمام چندہ مع زکوٰۃ مرزا صاحب ہی کے تصرف میں آتا تھا۔

۹) اللہ کے تمام پیغمبر معصوم تھے ان میں سے کسی نے بھی کوئی نشہ آور چیز استعمال نہیں کی۔
۹) مرزا صاحب شراب پیتے تھے۔ نوٹ: ٦ مرزا صاحب کا خط بنام محمد حسین صاحب

نوٹ ٦: محبی اقویم حکیم محمد حسین صاحب ''اس وقت میاں یار محمد بھیجا جاتا ہے۔ آپ اشیاء خوردنی خود خرید دیں اور ایک بوتل ٹانک وائن کی فلومر کی دوکان سے خرید دیں، مگر ٹانک وائن چاہئے اس کا لحاظ رہے۔ باقی خیریت'' (خطوط امام بنام غلام صفحہ ۵)

نوٹ: اس شراب کی قیمت اس زمانہ میں پانچ روپیہ آٹھ آنے سکہ کلدار فی بوتل تھی۔

۱۰) تمام پیغمبروں کو ان کی اپنی مادری زبان میں وحی بھیجی گئی۔ نوٹ: ۷
۱۰) مرزا صاحب کی مادری زبان پنجابی تھی، لیکن ان کو دعویٰ تھا کہ عربی، فارسی اور انگریزی زبان میں وحی آتی ہے۔ اس لحاظ سے بھی مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت جھوٹا ہے۔

نوٹ ۷: جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ (ابراہیم: ۴) ''اور ہم نے تمام پیغمبروں کو وحی ان ہی کی قوم کی زبان میں نازل کر کے ان کو پیغمبر بنا کر بھیجا'' چنانچہ نبی ﷺ کی مادری زبان عربی تھی، اس لئے قرآن عربی زبان میں نازل کیا گیا۔ (یوسف ۲، طٰہٰ ۱۱۳)

۱۱)انبیاء علیہم السلام پر وحی ان کی اپنی مادری زبان میں نازل کرنے کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ پیغمبر اللہ کی باتیں اپنی قوم کو کھول کھول کر بتاسکیں۔ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (ابراہیم:۴) ”تا کہ تم اپنے لوگوں سے کھول کھول کر بیان کرسکو“

۱۱)مرزا صاحب پر وحی انگریزی زبان میں جس سے وہ کورے تھے نازل ہوئی ہے۔نوٹ:۸

نوٹ ۸: اپنے انگریزی الہامات کا مطلب ایک ہندو سے معلوم کرتے ہیں (مکتوبات احمدیہ جلد اول ۶۸) مرزا صاحب کی ہر بات دروغ گورا حافظہ نہ باشد کی منہ بولتی تصویر ہے۔

چنانچہ وحی کی زبان کے بارے میں خود ان کا یہ فیصلہ ہے ”اور بالکل غیر معقول اور بے ہودہ امر ہے کہ انسان کی اصل زبان تو کوئی ہو اور الہام کسی اور زبان میں جس کو وہ سمجھ بھی نہیں سکتا، کیونکہ اس میں تکلیف بالا یطاق ہے“ (چشم معرفت صفحہ ۲۰۹) ملاحظہ ہو یہ غیر معقولیت کا کام (انگریزی زبان میں وحی) نعوذ باللہ۔ اللہ کی طرف سے تو ہو نہیں سکتا۔ لامحالہ یہ مانے بغیر چارہ ہی نہیں کہ شیطان ہی اس قسم کے غیر معقول و بے ہودگی کی باتیں اپنے شاگردِ رشید کے دل میں ڈالتا ہے۔

۱۲)اللہ تعالیٰ کے کسی پیغمبر نے بھی اپنے جانی دشمنوں تک کو کبھی بھی گالی نہیں دی۔

۱۲)مرزا صاحب اپنے مخالفین کو کھلے طور پر گالیاں دیئے ہیں۔۔نوٹ:۹

نوٹ ۹: اے ظالم مولویو، اے مردار خور مولویو، اے گندی روحو، اے اندھیرے کے کیڑو، یہ مولوی جھوٹے ہیں اور کتوں کی طرح مردار کا گوشت کھاتے ہیں۔ اے بے ایمان، نیم عیسائیو، دجال کے ہمرائیو، اسلام کے دشمنو، تمہاری ایسی تیسی، اے عورتوں کی عار ثناء اللہ، کفن فروش کتا، خبیث، سور، بدذات، گوخور (الہامات از مرزا (۱۲۲) اعجازِ احمدی، تتمہ، حقیقت الوحی، اشتہار انعامی تین ہزاری، ضمیمہ انجام آتھم صفحہ۲)

۱۳)اللہ تعالیٰ کے کسی نبی نے بھی کسی بھی باطل کی نہ خوشامد کی نہ چاپلوسی کی۔ (آل عمران:۱۴۶)

۱۳)مرزا غلام احمد صاحب نے حکومت برطانیہ کی خوشامد وچاپلوسی کرنے میں قرآنی آیات تک کی تحریف کرڈالی۔نوٹ:۱۰

نوٹ۱۰: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ (الانفال ۳۳) ”اللہ تعالیٰ کی شان نہیں کہ ان لوگوں کو عذاب دے جبکہ اے رسول تم ان میں زندہ موجود ہو“ مرزا صاحب اس کا یہ مطلب بیان کئے ہیں کہ ”خدا ایسا نہیں کہ اس گورنمنٹ کو کچھ تکلیف پہنچائے حالانکہ (مرزا صاحب) ان کی عملداری میں رہتا ہے“ وہ اس گورنمنٹ کے اقبال وشوکت میں تیرے (مرزا غلام احمد صاحب) وجود ودعا کا اثر ہے اور اس کی فتوحات تیرے (غلام احمد صاحب کے) سبب سے ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی ”جدھر تیرا (غلام احمد صاحب کا) منہ ہے ادھر خدا کا منہ ہے“ اور دلیل میں فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (بقرہ ۱۱۵) ”پس تم جدھر بھی منہ (رخ) کروگے ادھر اللہ کا رخ ہے“ (براہین احمدیہ صفحہ ۲۴۱ اور عریضہ بخدمت گورنمنٹ حاشیہ ۱۶۹)

(فتنۂ قادیانی-قرآن وسنت کی روشنی میں، ص ۱۶-۲۱)

☆☆☆

پروفیسر ابوزاہد شاہ سید وحید اللہ حسینی القادری الملتانی، کامل الحدیث جامعہ نظامیہ، M.A., M.Com., Ph.D(Osm)

رب کو اسم محمدؐ میں نقطہ گوارا نہ ہوا
اور ہم میلاد جلوس کا تقدس پامال کر رہے ہیں

شرعی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اور پورے ادب و احترام کے ساتھ جلوس نکالنا صحابہ کرام کی سنت ہے جس کا ثبوت بے شمار احادیث میں ملتا ہے۔ جلوس نکالنے کا یہ سلسلہ آج تک جاری ہے اور انشاء اللہ العزیز تا صبح قیامت پوری آب و تاب کے ساتھ جاری و ساری رہے گا۔ دنیا کے گوشے گوشے میں عید میلاد النبیؐ کے مبارک و مسعود موقع پر انتہائی تزک و احتشام، ادب و احترام اور شرعی اصول کی مکمل رعایت کرتے ہوئے درود و سلام، حمد و نعت سے مہکی ہوئی فضاء میں انتہائی پرامن طریقہ سے جلوس نکالا گیا جس میں کیف و مستی کا ایک سماع طاری تھا، آمد و رفت میں خلل واقع نہ ہو اس کا پورا خیال رکھا گیا، غرباء و مساکین بیت المعمرین (اولڈ ایج ہوم) اور مریضوں میں اشیائے مایحتاج اور میوہ جات و ادویات تقسیم کیے گیے، شجر کاری مہم چلائی گئی، رضا کارانہ طور پر بلڈ ڈونیشن (خون کا عطیہ) کیمپ قائم کیے گیے جس سے بھائی چارے اور انسانی محبت میں اضافہ کا پیغام ملتا ہے۔ لیکن کچھ عرصہ سے دیکھنے میں آ رہا ہے کہ ایسے باوقار جلوس میں لوگ نادانستہ طور پر ایسے حرکات و افعال کا ارتکاب کر رہے ہیں جو غیر اسلامی ہیں جس سے اجتناب حد درجہ ضروری و لازم ہے ورنہ ہماری اس غلط روش کے باعث نہ صرف ہمارے اعمال صالحہ ضائع ہونے کے امکانات قوی ہوجاتے ہیں بلکہ بسا اوقات نور ایمانی سے محروم ہونے کا خدشہ بھی بڑھ جاتا ہے۔ رحمت عالمؐ کی زندگی کا ہر لمحہ روح افزا اور جاں گداز اور آپؐ سے منسوب تمام اشیاء رحمتوں و برکتوں کا برتو کامل اور ہدایت و تجلیات کا مہبط اکمل و اجمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جلیل القدر صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور بزرگان دین محسن انسانیتؐ سے منسوب ہر شئی کا حد درجہ ادب و احترام کیا کرتے تھے۔ مدینہ طیبہ کو سرور کونینؐ سے خاص نسبت حاصل ہے اسی باعث امام مالکؒ اشاہ بطحاؐ کی اس ہجرت گاہ کا اس قدر ادب و احترام اور تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے کہ روایت میں آتا ہے کہ آپؒ حدود حرم مدینمیں نہ پیر میں جوتی پہنا کرتے، نہ گھوڑے پر سوار ہوتے اور نہ ہی قضائے حاجت کیا کرتے تھے محض اس خوف سے کہیں اس ارض مقدس کی توہین نہ ہوجائے۔ انہی بابرکت اشیاء میں سے ایک انتہائی اہمیت کا حامل میلاد النبیؐ کا جلوس ہے جس کی نسبت اس رحمت العالمین کے نام سے وابستہ ہے جن کا مبارک نام عرش پر رب کائنات کے ساتھ مکتوب ہے۔ وجہ تخلیق عالم سے منسوب میلاد النبیؐ کے جلوس کو دینی، ملی، مذہبی، تہذیبی، اخلاقی، روحانی الغرض ہر لحاظ سے امتیاز حاصل ہے جو دنیا کے کسی اور جلوس کو حاصل نہیں ہے۔ لیکن صد حیف کہ شیطانی وساوس، نفسانی خواہشات اور دنیا پرستی نے ہمیں اس قدرت اندھا بنا دیا ہے کہ ہم نے محض اپنی شان و شوکت اور من مانی کا اظہار کرنے کے لیے میلاد النبیؐ جیسے

فیوض و برکات والے جلوس میں ادب و احترام کو ملحوظ رکھنے کے بجائے کرتب بازی، آتش بازی، ہلڑ بازی، رقص و سرور اور موسیقی کا ایسا استعمال کیا ہے جس سے یہود و نصاریٰ اور غیر مسلم حضرات بھی شرما جائیں۔ شدید محبت کے باعث جس نبی کے نام نامی اسم گرامی میں رب کو نقطہ گوارا نہ ہوا ہم نبی سے عشق کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور اپنے افعال قبیحہ کے ذریعہ اسی نبی کے نام سے منسوب میلاد جلوس کے تقدس کو پامال بھی کررہے ہیں (العیاذ باللہ)۔ تمام علماء و مشائخ صراحتاً بتادیا کہ میلادالنبیؐ کے جلوس میں DJ کا استعمال غیر شرعی ہے اس کے باوجود نوجوانوں نے اس کا استعمال کیا اور ایک کار میں موجود DJ سسٹم کو آگ لگ گئی جس کی وجہ سے بھگدڑ مچ گئی، حالات کشیدہ ہوگیے اور بعض لوگوں کا مالی نقصان بھی ہوا۔ مشتعل نوجوان نے پولیس کی جانب سے نصب کردہ بریگیڈ کو توڑرہے تھے جس کے بعد پولیس کو نوجوانوں کو منتشر کرنے کے لیے لاٹھی چارج کرنا پڑا ہے۔ افسوس صد افسوس بے ہودگی، بے نظمی اور بے ضابطگی کے یہ تمام واقعات اس نبیؐ کی ولادت کی خوشی میں نکالے گیے جلوس میں ہورہے ہیں جس نبیؐ نے ہمیں نظم و ضبط کی تعلیم عنایت فرمائی ہے۔ فوج کی ایک چھوٹی سی ٹکڑی میں نظم وضبط پیدا کرنے کے لیے حکومت وقت کو کروڑہا روپیہ کا بجٹ خرچ کرنا پڑتا ہے تو دوسری طرف امت مسلمہ کو رسول رحمتؐ اس قدر منظم بنادیا کہ پیش امام صاحب تکبیر تحریمہ کہتے ہیں تو مقتدیوں کا لاکھوں کا مجمع بیک وقت اللہ اکبر کہہ کر نماز کی ابتداء کرتے ہیں۔ صد حیف کہ اسی امت مرحومہ سے وابستہ نوجوانوں نے بعض مقامات پر میلادالنبیؐ کے جلوس کے درمیان بدنظمی کا مظاہرہ کیا جس کی وجہ سے محکمہ پولیس کے اہلکاروں کو ان پر لاٹھیاں برسانی پڑیں۔ کس قدر معیوب بات ہے کہ جس نبیؐ کی آمد پر لوگ پھول کی پتیاں نچھاور کرتے تھے اسی نبیؐ کو ماننے والی قوم پر پولیس لاٹھیوں کا استعمال کررہی ہے۔ آج اغیار ہماری اس اوچی حرکتوں پر ہنس رہے ہیں۔ ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہم خود کس قدر اسلامی تعلیمات اور تہذیب وتمدن کو مسخ کر کے دنیا کے سامنے پیش کررہے ہیں؟ کیا ہماری اس غلط روش کو دیکھ کر لوگ اسلامی تعلیمات اور اسلامی تہذیب وثقافت اور تمدن سے متاثر ہوں گے اور اگر جواب نفی میں ہے تو ہم اپنے آپ سے سوال کریں کہ ہم کیسے امیر المعروف ونہی عن المنکر کی مذہبی ذمہ داری سے عہدہ مبرا ہوں گے۔ جس نبیؐ نے میدان جنگ میں ہمیں نماز کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے تاکہ حالتِ جنگ میں بھی نماز قضا نہ ہو اور ہمارا یہ حال ہے کہ مساجد سے اذانیں ہورہی ہیں اور ہم مساجد کا رخ کرنے کے بجائے اپنے اوچی حرکتوں میں مصروف ہیں۔

آج کے اس پر تعصب اور پرفتن دور میں بھی وطن عزیز ہندوستان میں بعض غیر مسلم حضرات ایسے ہیں جو اذان کی آواز سنتے ہی اپنی تقریر اور خطاب روک دیتے ہیں لیکن ہمیں اذان اور نماز کی ادائیگی کے لیے جلوس روکنے کی توفیق نہیں ہے۔ ہماری اس غلط روش کو بہانہ بنا کر اغیار بالخصوص مخالف مکاتب فکر کے افراد میلاد جلوس کو اپنی شدید تنقید و ملامت کا نشانہ بنارہے ہیں اور جلوس نکالنے کی سخت مخالفت کررہے ہیں۔ ان کی خدمت میں بس اتنا عرض کرنا ہے کہ حقیقی مومن تنقید برائے تنقید نہیں کرتا بلکہ وہ تنقید برائے تعمیر میں یقین رکھتا ہے۔ بحیثیت مسلمان ہمارا کام یہ نہیں ہے کہ ہم کسی کو کافر یا مشرک کہیں بلکہ کافر ومشرک کو مسلمان بنانا ہماری مذہبی ذمہ داری ہے، کسی کو گمراہ وبدعتی کہنے کے لیے ہمیں پیدا نہیں کیا گیا بلکہ گمراہ و بدعتی کو رشد وہدایت کی راہ پر لانے اور اسے نیک

بخت بنانے کے لیے ہمیں وجود بخشا گیا ہے۔روزہ کا اصل مقصد نفسانی خواہشات کو قابو میں رکھنا ہے لیکن بہت سارے روزہ دار ایسے ہیں جو سال کے بارہ مہینے بشمول رمضان المبارک جیسے بابرکت مہینے میں بھی نفسانی خواہشات کا شکار رہتے ہیں اس کو بنیاد بنا کر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ رمضان المبارک کے روزے ہی ترک کر دینا جانا چاہیے بلکہ ہم نفسانی خواہشات کے اسیر لوگوں کو سمجھائیں گے نفسانی خواہشات کو پورا کرنے سے روزہ کے فوائد و برکات ختم ہوجاتے ہیں۔اسی طرح میلاد جلوس میں ہونے والے غیر اسلامی حرکات کی نشاندہی کرنا اور گمراہ نوجوان نسل کو ایسے حرکات و افعال سے بچنے کی تلقین و تاکید کرنا بحیثیت مسلمان ہم سب کی ذمہ داری ہے۔

میلاد جلوس کے دوران مذکورہ بالا ہمارے افعال قبیحہ نہ صرف غیر انسانی اور غیر اسلامی ہے بلکہ صحابہ کرام کے طرز حیات کے بھی خلاف ہے جبکہ اللہ تعالی ہمیں صحابہ کی طرح ایمان لانے کا حکم دیتا ہے جس کا اظہار ہمارے تمام افکار و خیالات اور افعال و اعمال سے ہونا چاہیے۔ اگر آج مسلمانوں کی اکثریت نبی رحمتؐ سے منسوب اشیاء کا اسی طرح ادب واحترام کرتی جیسا صحابہ کرام نے کیا تھا تو ہماری یوں جگ ہنسائی نہ ہوتی۔روایت میں مذکور ہے کہ نبی مکرم و محتشم کا پیالہ ٹوٹ گیا تو حضرت انسؓ نے اس ٹوٹے ہوئے پیالہ کو جوڑنے کے لیے کسی عام شئی کا استعمال نہیں کیا بلکہ اس پیالہ کی قدر و قیمت کے مطابق اس پیالہ پر چاندی کا تار لگا دیا۔صحابہ کرام کی مقدس جماعت پیغمبر اسلامؐ سے اس قدر والہانہ محبت رکھتی تھی کہ آپؐ کے لعاب دہن (تھوک)، پسینہ، وضو کا بچا ہوا پانی، اور خون کو بھی متبرک جانتے اور بغرض حصول برکت ان مبارک اشیاء سے مستفید ہوتے۔

مشہور صوفی شاعر حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ فرماتے ہیں کہ اگر آپؐ کبھی میری طرف تشریف لائیں تو میں مسکین و ناداری اور عاجزی سے آپ کے نعلین مبارک کے نقش پر اپنی جان قربان کردوں گا۔اورایک طرف ہم ہیں جو دعوی عشق مصطفیؐ کا کرتے ہیں لیکن ہم آپؐ کے نام سے منسوب میلادالنبیؐ کے جلوس میں ادب و احترام کو ملحوظ خاطر نہ رکھا بلکہ طوفان بدتمیزی کی تمام حدود کو پھلانگ دیا۔ایسی نازیبا حرکات کے ذریعہ ہم عشق رسول کا دعوی نہیں کرسکتے بلکہ ہماری یہ غلط روش ہمارے تمام اعمال صالحہ بشمول، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور متبرک راتوں میں کی جانے والی عبادات کے عوض ملنے والے اجر عظیم کو ضائع کرنے کا سبب بنتی ہے لہٰذا ہمیں ایسے حرکات سے حد درجہ اجتناب کرنا ہوگا ورنہ دنیا وآخرت دنوں میں ہماری تباہی و بربادی یقینی ہے۔اگر ہم واقعتاً دنیا میں برکت اور آخرت میں نجات چاہتے ہیں تو بصد خلوص اور ادب و احترام کے ساتھ میلادالنبیؐ کے جلوس میں شرکت کریں ورنہ جس طرح علمائے کرام کا ارشاد مبارک ہے کہ متبرک راتوں میں جاگ کر ہلڑ بازیاں مچانے سے بہتر ہے کہ آدمی سو جائے کم از کم وہ برائیاں کمانے اور عذاب الٰہی میں گرفتار ہونے سے بچا رہے گا اسی طرح میلادالنبیؐ کے جلوس میں شرکت کر کے بے ادبی کا مظاہرہ کرنے سے بہتر ہے کہ جلوس میں شرکت نہ کی جائے کم از کم اعمال صالحہ ضائع تو نہیں ہوں گے اور ہمارا ایمان بھی محفوظ رہے گا۔آخر میں اللہ تعالی سے دعا ہے کہ بطفیل نعلین پاک مصطفیٰؐ اس ماہِ مبارک میں تمام مسلمانوں کو اپنی رحمت، مغفرت سے سرفراز فرمائے اور دوزخ سے نجات عطا فرمائے۔آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین طٰہٰ ویٰسین۔

☆☆☆

ڈاکٹر مفتی سہیل ندوی۔سابق پرنسپل میسکو کالج،حیدرآباد

نقوشِ اقبال اور حضرت مولانا علی میاں ندویؒ-ایک فکری وادبی جائزہ

تعارف

علامہ محمد اقبال (1877ء–1938ء) بیسویں صدی کے عظیم شاعر، فلسفی، اور مفکر ہیں۔ان کی شاعری اور فکر نے برصغیر کے مسلمانوں کو بیدار کرنے کے ساتھ عالمِ اسلام کوایک نئی فکری جہت عطا کی۔اقبال کی شاعری، جواردو اور فارسی میں لکھی گئی، خودی، تصوف، اور احیائے امت اسلامیہ کے موضوعات سے مزین ہے۔ان کی فکر اور شاعری پر تحقیق وتنقید کا سلسلہ آج بھی جاری ہے،اوراس ضمن میں متعدد کتابیں اور مضامین لکھے گئے ہیں۔ان میں سے ایک اہم کتاب نقوشِ اقبال ہے، جو حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے تحریر کی۔یہ کتاب اقبال کے کلام اور فکر کوایک منفرد زاویے سے پیش کرتی ہے، خصوصاً عرب قارئین کے تناظر میں۔اس مضمون میں ہم نقوشِ اقبال اور مولانا کے فکری وادبی کردار کا جائزہ لیں گے، ساتھ ہی اقبالیات کے مطالعے کی اہمیت پر روشنی ڈالیں گے۔

اقبالیات کا مطالعہ: ایک فکری وعملی ضرورت

اقبال کی شاعری اور فکر کا مطالعہ ایک فکری، روحانی، اور عملی ضرورت ہے، جو امتِ مسلمہ کو عصرِ حاضر کے چیلنجز سے نمٹنے کی تیاری کراتی ہے۔ان کی شاعری اور نثر میں آفاقی فکر موجود ہے جوفرد اور معاشرے کوخود آگاہی، عمل، اور ایمان کی طرف راغب کرتی ہے۔ذیل میں اقبالیات کے مطالعے کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے جو اس کی فکری، سماجی، اور تعلیمی اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں۔

1-خودی کا فلسفہ: معاصر اہمیت

اقبال کا فلسفہ خودی آج کے دور میں بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا ان کے عہد میں تھا۔یہ تصور فرد کو اپنی صلاحیتوں کو پہچاننے اور بروئے کار لانے کی ترغیب دیتا ہے۔موجودہ دور میں، جہاں مادیت، عالمگیریت، اور فکری انتشار نے انسانی شناخت کو دھندلا دیا ہے، خودی کا فلسفہ ایک رہنما اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔یہ نہ صرف ذاتی ترقی بلکہ معاشرتی اور قومی بیداری کے لیے بھی ایک لائحہ عمل فراہم کرتا ہے۔؟ مثال کے طور پر، اقبال کی نظم خودی کا سرِنہاں لا الہ الا اللہ خودی کو ایمان کے ساتھ جوڑ کر اسے روحانی اور عملی قوت کے طور پر پیش کرتی ہے (اقبال، بانگِ درا، 1924، ص 149–150)۔اقبالیات کا مطالعہ خودی کو خدا کے ساتھ تعلق اور اس کی رضا کے مطابق عمل کی دعوت کے طور پر پیش کرتا ہے۔

2-اسلامی فکر کی تجدید اور جدیدیت

اقبال کی فکر اسلامی اصولوں کو جدید سائنسی اور فلسفیانہ رجحانات کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی ایک منفرد کوشش ہے۔ان کی کتاب The Reconstruction of Religious Thought in Islam اس کی بہترین مثال ہے، جہاں انہوں نے عقل، تجربے، اور وجدان کے امتزاج سے اسلامی فکر کو جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا (اقبال، تجدیدِ فکری دینِ اسلام، 1930، ص 78–102)۔اقبالیات کا مطالعہ اپنی تہذیبی اقدار کو

برقرار رکھتے ہوئے مغربی مادیت اور سیکولرزم کا مقابلہ کرنے کی رہنمائی کرتا ہے۔؟ آج کے دور میں، جہاں مغربی تہذیب کی بالادستی اور تکنیکی ترقی نے فکری خلاء پیدا کیا ہے، اقبال کی فکر روایت اور جدیدیت کے درمیان توازن قائم کرتی ہے۔ ان کی شاعری، جیسے شکوہ اور جواب شکوہ، امتِ مسلمہ کی عظمتِ رفتہ کی یاد دلاتی اور مستقبل کا وژن دیتی ہے (اقبال، بانگِ درا، 1924، ص 163-175)۔

3-تعلیمی نصاب میں اقبالیات

اقبالیات کا مطالعہ نصابی تعلیم کا لازمی حصہ ہونا چاہیے، کیونکہ یہ طلبہ میں فکری بیداری، قومی شعور، اور اخلاقی اقدار کو پروان چڑھاتا ہے۔ اقبال کی شاعری، جو اردو اور فارسی میں ہے، طلبہ کو زبان و ادب کے ساتھ تاریخ، فلسفہ، اور سماجی علوم سے روشناس کراتی ہے۔ نظمیں جیسے لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری اسکولوں میں شامل کرنے سے طلبہ میں دینی و اخلاقی شعور بیدار ہو سکتا ہے (اقبال، بانگِ درا، 1924، ص 76-77)۔ اقبال کی فکر کو سمجھنے کے لیے ان کے کلام کے تاریخی اور سماجی سیاق و سباق کا مطالعہ ضروری ہے۔ تعلیمی اداروں میں اقبالیات کے کورسز متعارف کروانے سے طلبہ کی فکری صلاحیتیں نکھریں گی اور وہ اقبال کے پیغام کو عملی زندگی میں اپنا سکیں گے۔

4-اقبال کا عالمگیر پیغام

اقبال کی شاعری اور فکر کا پیغام برصغیر سے ہٹ کر عالمِ اسلام کے لیے عالمگیر اپیل رکھتا ہے۔ نظمیں جیسے خطاب بہ جوانانِ اسلام اور مسجد قرطبہ عالمِ اسلام کو تاریخی ورثے سے جوڑتی اور مستقبل کا وژن دیتی ہیں (اقبال، بالِ جبریل، 1935، ص 45-48، 72-75)۔ اقبالیات کا مطالعہ اپنی تہذیبی شناخت بحال کرنے اور مغربی استعمار کے اثرات سے نجات حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے نقوشِ اقبال میں اس پیغام کو عرب دنیا تک پہنچایا، جو اس وقت مغربی تسلط کے زیر اثر تھی (ندوی، نقوشِ اقبال، 1977، ص 25-30)۔ اقبالیات کا مطالعہ اپنی تہذیبی اقدار کو برقرار رکھتے ہوئے عالمی سطح پر مؤثر کردار ادا کرنے کی رہنمائی کرتا ہے۔

اقبالیات کا مطالعہ ایک فکری اور روحانی سفر ہے جو خودی، ایمان، اور عمل کی طرف لے جاتا ہے۔ اقبال کی فکر آج بھی امتِ مسلمہ کے لیے مشعلِ راہ ہے، جو جدید چیلنجز سے نمٹنے اور تہذیبی شناخت بحال کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ نقوشِ اقبال جیسے کام اس فکر کو عام کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، اور مزید اقدامات سے اقبالیات کا مطالعہ ایک عالمگیر تحریک بن سکتا ہے۔ ہر اہلِ علم اور طالبِ علم کو اقبال کا پیغام پڑھنا اور اپنی زندگی کا حصہ بنانا چاہیے۔

نقوشِ اقبال کا تعارف

نقوشِ اقبال مولانا کی ایک اہم تصنیف ہے، جو اصل میں عربی میں روائع اقبال کے نام سے لکھی گئی اور بعد میں اردو ترجمے کی شکل میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب اقبال کے کلام اور فکر کو عرب قارئین تک پہنچانے کے لیے لکھی گئی، لیکن اس کا اردو ترجمہ عالمگیر سطح پر اقبال کے مداحوں کے لیے قیمتی اضافہ ثابت ہوا۔ مولانا نے نقوشِ اقبال میں اقبال کے کلام کے منتخب حصوں کی تشریح کی، خصوصاً وہ نظمیں جو عربوں سے متعلق ہیں جیسے بلادِ عرب کے نام، مسجد قرطبہ، اور طارق کی دعا (ندوی، نقوشِ اقبال، 1977، ص 45-60، 72-80)۔ اس کتاب کا مقصد اقبال کے پیغام کو عرب دنیا کے سامنے پیش کرنا تھا، لیکن اس کی فکری گہرائی اور ادبی حسن نے اسے ہر زبان کے قارئین کے لیے قابلِ مطالعہ بنایا۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کا فکری و ادبی کردار

حضرت مولانا علی میاں ندوی (1914ء-1999ء) بیسویں صدی کے معروف عالمِ دین، مورخ، اور مفکر تھے۔ انہوں نے اپنی تحریروں سے اسلامی تاریخ، تہذیب، اور فکر کو نئی نسل تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کی کتابیں، جیسے مسلمانوں کا عروج و زوال اور تاریخِ دعوت و عزیمت، اسلامی تاریخ کے عظیم الشان ادوار کی عکاسی کرتی ہیں (ندوی، مسلمانوں کا عروج و زوال، 1975، ص 10-15)۔ مولانا کی تحریروں کا خاص وصف ان کا شگفتہ اور سلیس اسلوب ہے، جو قاری کو گہرے فکری موضوعات سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ نقوشِ اقبال میں مولانا نے اقبال کے کلام کو ایک ادبی شاہکار کے طور پر پیش کیا اور اسے اسلامی فکر کی تجدید کے تناظر میں دیکھا۔ انہوں نے اقبال کے نظریات، خصوصاً خودی، اسلامی تمدن، اور مغربی تہذیب کے تنقیدی جائزے کو نمایاں کیا (ندوی، نقوشِ اقبال، 1977، ص 15-25)۔ مولانا کے نزدیک اقبال کی شاعری ایک ایسی مشعلِ راہ ہے جو امتِ مسلمہ کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کر کے عظمتِ رفتہ کی طرف لے جاتی ہے۔

نقوشِ اقبال کا فکری و ادبی جائزہ

نقوشِ اقبال کی سب سے بڑی خصوصیت اس کا عرب قارئین کو مدنظر رکھ کر لکھا جانا ہے۔ مولانا نے اقبال کے کلام کے وہ حصے منتخب کیے جو عربوں کے تاریخی اور ثقافتی پس منظر سے ہم آہنگ ہیں۔ مثال کے طور پر، مسجد قرطبہ میں اقبال نے اسلامی تہذیب کی عظمت کو بیان کیا، جو عربوں کے سنہری دور کی یاد دلاتا ہے (اقبال، بالِ جبریل، 1935، ص 72-75)۔ اسی طرح طارق کی دعا میں ایک عظیم مسلم فاتح کے جذبے کو خراجِ تحسین پیش کیا گیا (اقبال، بالِ جبریل، 1935، ص 80-82)۔ کتاب کے اہم مضامین میں اقبال اور مغربی تہذیب و ثقافت، اقبال اور عصری نظامِ تعلیم، اور انسانِ کامل اقبال کی نظر میں شامل ہیں۔ ان مضامین میں مولانا نے اقبال کے فلسفیانہ خیالات کو سادگی اور گہرائی کے ساتھ پیش کیا (ندوی، نقوشِ اقبال، 1977، ص 90-110، 120-135)۔ مثال کے طور پر، اقبال اور مغربی تہذیب و ثقافت میں مغرب کے مادیت پر مبنی نظام کی تنقید کی گئی، جبکہ انسانِ کامل میں اقبال کے خودی کے فلسفے کو اسلامی نقطہ نظر سے واضح کیا گیا۔

اقبال اور حضرت مولانا علی میاں ندوی: فکری ہم آہنگی

اقبال اور مولانا کے مابین فکری ہم آہنگی واضح ہے۔ دونوں نے اسلامی تہذیب کی بحالی اور امتِ مسلمہ کی بیداری پر زور دیا۔ اقبال نے اپنی شاعری میں خودی اور عمل کی اہمیت کو اجاگر کیا، جبکہ مولانا نے اپنی تحریروں میں اسلامی تاریخ اور دعوت کے کردار کو نمایاں کیا۔ نقوشِ اقبال اس فکری ہم آہنگی کا مظہر ہے، جہاں مولانا نے اقبال کے پیغام کو عالمِ اسلام تک پہنچانے کی کوشش کی (ندوی، نقوشِ اقبال، 1977، ص 20-25)۔؟ مولانا نے اقبال کے کلام کو تاریخی تناظر میں بھی دیکھا۔ ان کے مضمون کلام اقبال میں تاریخی حقائق و اشارات میں اقبال کی شاعری میں موجود تاریخی واقعات اور ان کے فکری اثرات کا جائزہ لیا گیا۔ یہ مضمون نقوشِ اقبال کے دوسرے ایڈیشن میں شامل ہے، جو اس کتاب کی علمی و ادبی اہمیت کو مزید بڑھاتا ہے (ندوی، نقوشِ اقبال، دوسرا ایڈیشن، 1990، ص 150-165)۔

اقبالیات کے مطالعے میں نقوشِ اقبال کی اہمیت

نقوشِ اقبال اقبالیات کے طالب علموں کے لیے ایک اہم دستاویز ہے۔ یہ کتاب اقبال کے کلام کی تشریح پیش کرتی

ہے اور اسے عالمگیر تناظر میں دیکھنے کی دعوت دیتی ہے۔ مولانا نے اس کتاب کے ذریعے اقبال کے پیغام کو عرب دنیا تک پہنچایا، جو اس وقت مغربی استعمار کے زیر اثر تھی (ندوی، نقوشِ اقبال، 1977، ص 30-35)۔ یہ کتاب اقبال کے عالمگیر پیغام کی عملی مثال ہے۔؟ مزید برآں، نقوشِ اقبال اقبال کے کلام کو سمجھنے کے لیے ایک آسان اور قابلِ فہم رہنما ہے۔ مولانا نے اقبال کی پیچیدہ فلسفیانہ فکر کو سادہ زبان میں بیان کیا، جس سے عام قاری بھی مستفید ہو سکتا ہے۔

تنقیدی جائزہ

نقوشِ اقبال ایک شاندار تصنیف ہے، لیکن اس کی چند حدود بھی ہیں۔ چونکہ یہ کتاب اصل میں عرب قارئین کے لیے لکھی گئی، اس لیے اس میں اقبال کے کلام کے کچھ پہلوؤں کو زیادہ اجاگر کیا گیا، جبکہ دیگر کو کم توجہ دی گئی۔ اس کے باوجود، مولانا کا ترجمہ اور تشریحات نہایت سلیس اور اثر انگیز ہیں۔ انہوں نے اقبال کے کلام کی روح کو برقرار رکھتے ہوئے اسے ایک نئے تناظر میں پیش کیا۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی کا مقدمہ اس کتاب کی ادبی قدر کو بڑھاتا ہے، جو اقبال کی شخصیت اور فکر پر ایک گہرا تبصرہ ہے (صدیقی، مقدمہ، نقوشِ اقبال، 1977، ص 5-10)۔

اختتام

نقوشِ اقبال حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی ایک عظیم ادبی اور فکری کاوش ہے، جو اقبال کے کلام اور فکر کو ایک نئے زاویے سے پیش کرتی ہے۔ یہ کتاب اقبالیات کے طالب علموں کے لیے ایک رہنما اور عالمِ اسلام کے لیے ایک عظیم پیغام ہے۔ مولانا نے اقبال کے پیغام کو عرب دنیا تک پہنچا کر ان کی عالمگیر فکر کو اجاگر کیا۔ اقبالیات کا مطالعہ آج بھی اسی طرح اہم ہے جیسا کہ بیسویں صدی میں تھا، کیونکہ اقبال کی فکر عصرِ حاضر کے چیلنجز سے نمٹنے کی روشن راہ دکھاتی ہے۔ نقوشِ اقبال اس فکر کو سمجھنے اور پھیلانے کا ایک اہم ذریعہ ہے، جو ہر اہلِ ذوق کے مطالعے کے لائق ہے۔

حوالہ جات

1-اقبال، محمد۔ بانگِ درا۔ لاہور: اقبال اکیڈمی، 1924۔

-خودی کا سرِ نہاں لا الہ الا اللہ: ص 149-150

-شکوہ اور جوابِ شکوہ: ص 163-175

-لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری: ص 76-77

2-اقبال، محمد۔ بالِ جبریل۔ لاہور: اقبال اکیڈمی، 1935۔

-خطاب بہ جوانانِ اسلام: ص 45-48

-مسجد قرطبہ: ص 72-75

-طارق کی دعا: ص 80-82

3-اقبال، محمد۔ تجدیدِ فکری دینِ اسلام (اردو ترجمہ)۔ لاہور: اقبال اکیڈمی، 1930۔ - ص 78-102

4-ندوی، مولانا علی میاں۔ نقوشِ اقبال۔ کراچی: مجلسِ نشریاتِ اسلام، 1977۔

-عرب قارئین کے تناظر میں اقبال کا پیغام: ص 25-30

-بلادِ عرب کے نام، مسجد قرطبہ، اور طارق کی دعا: ص 45-60، 72-80

-اقبال اور مغربی تہذیب و ثقافت، اقبال اور عصری نظامِ تعلیم، اور انسانِ کامل اقبال کی نظر میں: ص 90-110، 120-135

-خودی اور اسلامی تمدن: ص 15-25

5-ندوی، مولانا علی میاں۔ نقوشِ اقبال، دوسرا ایڈیشن۔ کراچی: مجلسِ نشریاتِ اسلام، 1990۔

-کلامِ اقبال میں تاریخی حقائق و اشارات: ص 150-165

6-ندوی، مولانا علی میاں۔ مسلمانوں کا عروج و زوال۔ کراچی: مجلسِ نشریاتِ اسلام، 1975۔ -ص 10-15

7-صدیقی، رشید احمد۔ مقدمہ، نقوشِ اقبال۔ کراچی: مجلسِ نشریاتِ اسلام، 1977۔ -ص 5-10

الحاج الماس خان: نظام آباد کی ہمہ گیر شخصیت

”بجھ تو جاؤں گا مگر صبح تو کر جاؤں گا“

کسی کے داغ مفارقت پر غم میں ڈوب جانا ایک فطری امر ہے، اس پر انسان کا اختیار نہیں ہوتا، مگر مومن کا غم دنیا کی تمام دوسری قوموں کے غم سے مختلف ہے، اس لیے کہ مسلمان اس کائنات اور کائنات سے ماوراء کے متعلق ایک خاص نظریہ حیات رکھتا ہے، وہ موت کو زندگی کا اختتام نہیں بلکہ ایک نئی زندگی کا آغاز سمجھتا ہے۔ اس نکتے کو پالینے والے یقیناً خالق حقیقی کی عنایات کو پالیتے ہیں۔ قلم لرزاں ہے اور دل افسردہ کہ ہمیں اس کربناک سچائی پر یقین کرنا پڑا ہے کہ متحدہ ضلع نظام آباد کی قدآور طرحدار شخصیت، الماس خان 'مالک ہوٹل پیراڈائز' 27/ستمبر 2025 کو اس دار فانی سے رخصت ہوگئے ہیں۔ وہ ایک ایسی سماجی وسیاسی 'تہذیبی شخصیت تھی جو امت کی زبوں حالی، ملت کی پسماندگی اور معاشرتی ابتری پر فکر مند رہتی تھی۔ وہ متحدہ ضلع نظام آباد کے ایک صاحبِ فکر دانشور اور بااصول قوم پرست بھی تھے۔ ملی وسیاسی مسائل کو وہ بڑی ندرت اور بے باکی کے ساتھ پیش کرتے تھے۔ وہ کئی ایک سماجی سیاسی وملی تنظیموں سے وابستہ تھے۔ محبان اردو میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ اردو زباں کی ترقی وترویج میں ہمیشہ تعاون کرتے تھے۔ تعمیر ادب' ادبی محاذ' انجمن ترقی اردو نظام آباد اور ادارہ گونج سے وابستہ رہے تھے۔ آپ کی سرپرستی و نیز جمیل نظام آبادی مرحوم اور سید احمد پریمی، حال مقیم امریکہ کی نگرانی میں غالباً 1980 میں نظام آباد میں یادگار کل ہند مشاعرے کا انعقاد عمل میں آیا تھا۔ جس میں ملک کے معتبر شعراء کرام کیفی اعظمی راز الہ آبادی خمار بارہ بنکوی اور زبیر رضوی نے شرکت کی تھی۔ اس تقریب کا یادگار مجلہ بھی سید احمد پریمی کی ادارت میں شائع ہوا تھا۔ مرحوم اپنی شفقت اور وسیع القلبی کی وجہ سے بھی یاد رکھے جائیں گے۔ روزنامہ منصف“ کے کالم”زیر وزبر“ میں ہر ہفتہ میرا کالم پابندی سے پڑھتے تھے۔ میری آمد پر خلوص سے چائے پیش کرتے تھے۔ میری ذاتی یادداشتوں میں بھی ان کی رفاقت ایک بیش بہا سرمایہ ہے۔ میری تحریریں سے بہت لطف اندوز ہوتے اور مفید مشوروں سے نوازتے بھی تھے۔

ان کی شخصیت کا سب سے قیمتی اثاثہ ان کی بصارت وبصیرت ہے۔

ان کی سیاسی وابستگی بھی فکر وشعور پر مبنی تھی۔ مجلس اتحاد المسلمین نے جب انہیں ایم ایل اے کا ٹکٹ دیا تو اس وقت اقلیتی نوجوانوں کا ایک ہجوم ان کے گھر پر لگا رہتا تھا۔ جو بے لوث اپنی خدمات پیش کرکے انہیں الیکشن میں کامیاب کروانے کے لئے سرگرم رہا۔ جس نے ان کی نیک نامی کا پتہ چلتا ہے۔ وہ زمانہ شناس تھے۔ ہوا کا رخ دیکھ کر راستہ بدلنا ان کی فطرت نہیں تھی۔ جو کہ عموماً آج کے نام ونہاد سیاسی قائدین میں پائی جاتی ہے۔

مسلمانوں کے ملی وسماجی مسائل کے حل کے لیے وہ پیش پیش رہتے تھے۔

ان کے برادران قمر خان اور الطاف خان کا شمار بھی ضلع کے معروف شخصیات میں ہوتا ہے۔قمر خان قبل ازیں تلگودیشم پارٹی میں سرگرم تھے۔جب چندرابابو نائیڈو نے بی جے پی سے اتحاد کیا تو بطور احتجاج انہیں نے کانگریس پارٹی سے وابستگی اختیار کی۔

الماس خان صاحب کی شخصیت میں ایک عجیب امتزاج تھا۔ سچے قوم پرست ُ مذہبی شخصیات خصوصا علماء وحفاظ کا بڑا احترام کرتے تھے۔وہ نفاق کے سخت مخالف اور اتحاد کے شیدائی تھے۔وہ دوسروں کے احساسات مستعار لینے کے بجائے اپنی منزل خود تعین کرتے تھے۔شہر کے دینی مدارس اور مساجد کی انتظامی کمیٹی اور مسلم پرسنل لائسے بھی وابستہ رہے۔وہ جہاں بزرگوں واکابرین کا بڑا احترام کرتے وہیں چھوٹوں سے بھی شفقت کا معاملہ اختیار کرتے تھے۔ملی اور سماجی خدمات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔پریشان حال انسانوں کی دلجوئی اور امت کے بکھرے شیرازے کو جوڑنے کی جدوجہد آخری وقت تک جاری رہی۔ وہ انڈو عرب لیگ کے کوکنوینئر بھی تھے۔ایڈیٹرز روزنامہ ''رہنمائے دکن'' سید برادران سید وقار الدین اور لطیف الدین کے ہمراہ انہوں نے عراق کا دورہ کرتے ہوئے صدر صدام حسین اور یاسر عرفات جیسی عالمی اسلامی قدآور قائدین سے ملاقات بھی کی تھی۔سید لطیف الدین مرحوم سے دیرینہ تعلقات تھے۔پکچر پیلس کی بازو والی روڈ جو کہ اعظم روڈ سے ملتی ہے کو سینئر جرنلسٹ اختر امتیاز اور الماس خان کی کاوشوں کی بدولت ''لطیف بازار'' کا نام دیتے ہوئے اس روڈ کو سید لطیف الدین کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔جس سے لطیف الدین سے ان کی قربت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔وہ دیگر ابنائے وطن میں بھی کافی مقبول تھے۔شہر کے نامور وکیل پی پی گنگا ریڈی معروف ڈاکٹر جلپتھ راو اور سابق ایم ایل اے ستیش پوار کا ان کے قریبی رفقاء میں شمار ہوتا تھا۔

ان کی طبیعت میں متانت سنجیدگی بردباری تھی۔اعلی انسانی اقدار کے حامل شخصیت کا یوں اٹھ جانا یقیناً میرے لیے ذاتی طور پر ایک گہرا صدمہ ہیاور اہلیان نظام آباد کے لئے ایک ناقابلِ تلافی خسارہ بھی۔ایسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں،اور جب رخصت ہوتے ہیں تو اپنے پیچھے خلا چھوڑ جاتے ہیں جسے پر کرنا ممکن نہیں ہوتا۔لیکن ان کی زندگی کا درخشاں پہلو ''خدمت خلق'' ہمیں دعوت فکر بھی دیتا ہے کہ اللہ کی رضا، کا راستہ بندوں کی خدمت کے درمیان سے گزرتا ہے۔اس لیے دینی اعمال سماجی تقاضوں کی تکمیل خصوصا خدمت خلق کے بغیر معتبر نہیں ہوتے۔

''مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک موقع پر کہا تھا کہ'' جو صرف اپنے لئے جیتا ہے وہ قوم کے لئے ایک زندہ لاش ہے۔''

خالق برتر سے عجز وانکساری کے ساتھ دعا گو ہوں کہ الماس خان کی بے لوث خدمات کو شرف قبولیت عطا کرتے ہوئے غریق رحمت کرے۔پسماندگان کو صبر جمیل اور اہلیان نظام آباد کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔آمین ثم آمین

کون کہتا ہے کہ موت آئی تو مر جاؤں گا
میں تو دریا ہوں سمندر میں اتر جاؤں گا
زندگی شمع کی مانند جلاتا ہوں ندیم
بجھ تو جاؤں گا مگر صبح تو کر جاؤں گا
(احمد ندیم قاسمی)

سرفراز احمد قاسمی۔ حیدرآباد

سوشل میڈیا کا غلط استعمال

خاندان اور سماج مختلف مسائل کا شکار!

دنیا بھر میں جدید ٹیکنالوجی اور سوشل میڈیا نے انسانی زندگی کو جس طرح اپنی گرفت میں لے لیا ہے اس کے مثبت پہلوؤں کے ساتھ ساتھ منفی اثرات بھی بڑی تیزی سے سامنے آرہے ہیں، آج کا بچپن جو کھیل کود دوستوں کے ساتھ میل جول اور قدرتی ماحول سے جڑا ہونا چاہیے تھا وہ موبائل اسکرین میں قید ہو کر رہ گیا ہے، والدین کے لئے یہ ایک نا ختم ہونے والا دردسر بن گیا ہے کہ کس طرح بچوں کو موبائل اور سوشل میڈیا کی عادت سے محفوظ رکھا جائے، ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ موبائل اور آن لائن گیمس کی لت بچوں میں جارحانہ رویہ، تنہائی پسندی، بے سکونی اور بعض اوقات جرائم کی طرف میلان پیدا کررہی ہے، کھیلوں کے میدان خالی ہورہے ہیں اور گھر کے کمرے ورچول دنیا کے اسیر بن گئے ہیں، یہ رجحان صرف ایک خاندانی مسئلہ نہیں بلکہ ایک سماجی اور قومی مسئلہ بنتا جارہا

ہے، دنیا گر گا وبل غور بچے موبائل سے اس صورتحال پر سنجیدگی ان ہیں والدین پر تین ہزار روپے کا جرمانہ عائد کیا جائے گا، ساتھ ہی

سے غور کیا جارہا ہے، آسٹریلیا میں 16 سال سے کم عمر کے بچوں کے سوشل میڈیا استعمال پر پابندی عائد کی جا چکی ہے، فرانس کی جانب سے بھی اسی سمت پیشرفت کی جارہی ہے، اس پس منظر میں بچوں کے مستقبل کو نظر میں رکھتے ہوئے دنیا کے کئی ممالک سوشل میڈیا کے استعمال کو محدود کرنے پر غور کررہے ہیں، ہمارے ملک بھارت میں بچوں کی آبادی زیادہ ہے، اس لئے یہاں بھی یہ یقینی بنانا نہایت ضروری ہے کہ وہ

سوشل میڈیا کی لت کا شکار نہ ہوں، ایسے ماحول میں ہمارے ملک میں بھی یہ سوال شدت سے اٹھایا جارہا ہے کہ کیا بچوں کو موبائل اور سوشل میڈیا کی رسائی محدود کرنے کے لئے مؤثر قوانین اور پالیسیاں وضع کی جائیں؟ کرناٹک ہائی کورٹ نے 2023 میں واضح طور پر کہا تھا کہ اسکول کے بچے سوشل میڈیا کے عادی ہورہے ہیں اور اس کے مضر اثرات روکنے کے لئے عمر کی حد مقرر کرنا ناگزیر ہے، سپریم کورٹ نے بھی سوشل میڈیا کے بے قابو استعمال پر قابو پانے کے لئے رہنمایانہ خطوط بنانے کی ضرورت پر زور دیا ہے، انصاف کی بات یہ ہے کہ صرف عدالتی احکامات یا حکومتی پابندیاں کافی نہیں ہیں، اس مسئلے کا سب سے بڑا حل گھروں سے شروع ہوتا ہے، والدین کو چاہیے کہ وہ بچوں پر نظر رکھیں کہ بچے موبائل پر کیا دیکھ رہے ہیں؟ کتنا وقت صرف کررہے ہیں؟ اور کن سرگرمیوں میں مصروف

اطلاع دینے والے کو ایک ہزار روپے بطور انعام دیا جائے گا، اس فیصلے سے اس گاؤں میں خاصی تبدیلی دیکھنے میں آئی ہے، بچوں کو موبائل کی دنیا سے نکالنے کے لئے ضروری ہے کہ انہیں فطرت کے قریب لایا جائے، خاندانوں میں میل جول، کھیل کود اور اخلاقی تربیت کی جگہ اب موبائل اسکرین نے لے لی ہے بچے فطری کھیلوں سے دور اور ڈیجیٹل قیدی بن کررہ گئے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ نئی نسل حقیقی دنیا کی مشکلات کا

سامنا کرنے کے بجائے ورچول دنیا میں کھو جاتی ہے، والدین اور اساتذہ کو چاہیے کہ وہ انہیں کھیل کے میدانوں میں لے جائیں، گھر میں رشتے، ناطے اور خاندانی قدروں سے روشناش کروائیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کے ساتھ وقت گزاریں، جب تک بچوں کو حقیقی زندگی کی مصروفیات اور خوشیاں نہیں ملتی وہ ورچول دنیا کے جال میں پھنستے رہیں گے، عالمی ادارہ صحت نے پانچ برسوں سے کم عمر بچوں کے لئے اسکرین وقت کم سے کم رکھنے اور فعال کھیل ومعیاری نیند بڑھانے پر زور دیا، جبکہ امریکن اکیڈمی آف پیڈیاٹرکس نے 18 ماہ سے کم عمر میں ویڈیو چیٹ کے علاوہ میڈیا سے پرہیز اور بڑے بچوں کے لئے واضح حدود مقرر کرنے کی سفارش کی ہے، یہ سفارشات محض اخلاقی مشورے نہیں، جسمانی، بصری اور ذہنی نمو کے تحفظ کا علمی نچوڑ ہیں، یہ مسئلہ صرف حکومت کا نہیں بلکہ ہم سب کا ہے اگر معاشرہ، والدین، تعلیمی ادارے اور حکومت سب مل کر کوشش کریں تو بچوں کو موبائل کی لت سے نجات دلائی جا سکتی ہے ورنہ آنے والی نسل ایک ایسے بحران کا شکار ہوگی جہاں تخلیقی صلاحیتیں، جسمانی صحت اور سماجی رشتے سب کچھ اسکرین کے اندھیرے میں کھو جائیں گے دنیا بھر میں یہ احساس بڑھ رہا ہے کہ اگر بچوں کو اسمارٹ فون اور سوشل میڈیا کی زنجیروں سے آزاد نہ کیا گیا تو ایک ڈیجیٹل غلام نسل وجود میں آئے گی جو ذہنی طور پر کمزور، جسمانی طور پر غیر فعال اور سماجی طور پر تنہائی کا شکار ہوگی۔

گزشتہ دنوں اخبار میں ایک ریاست سے متعلق یہ خبر شائع ہوئی کہ بہار میں 40 فیصد بچے موبائیل کی وجہ سے بیمار ہو رہے ہیں، خبر کے مطابق بہار میں حقوق اطفال کے تحفظ سے متعلق کمیشن کے رکن ڈاکٹر سوگریو داس نے والدین سے اپیل کی کہ وہ اپنے بچوں کو موبائل کے مضر اثرات سے بچائیں ڈاکٹر داس نے بہار کے سمستی پور میں صحافیوں سے بات کرتے ہوئے کہا کہ بہار میں بچوں کو موبائل کے بدترین اثرات کا سامنا ہے جو کہ تشویش ناک ہے، انہوں نے کہا کہ حقوق اطفال کے تحفظ سے متعلق قومی کمیشن کی رپورٹ کے مطابق ریاست میں 40 فیصد سے زائد بچے موبائل کے استعمال کی وجہ سے ذہنی مریض بن رہے ہیں، ڈاکٹر داس نے کہا کہ والدین کو اس بات پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ بچے موبائل کس کام کے لئے اور کہاں استعمال کر رہے ہیں''

دوسری طرف خاندانوں اور رشتے داروں میں تنازعات کی سب سے بڑی وجہ ہمیشہ سے جائیداد رہی ہے لیکن موجودہ دور میں ٹیکنالوجی نے اختلافات کی نوعیت ہی بدل دی ہے، اب صرف زمین، مکان اور کاروبار ہی نہیں بلکہ واٹس ایپ، فیس بک، انسٹاگرام کے علاوہ دیگر سوشل میڈیا پر کی جانے والی پوسٹیں بھی رشتوں میں دوریاں پیدا کر رہی ہیں، حالیہ دنوں میں خاندانوں اور دوستوں کے درمیان واٹس ایپ اور ٹیلی گرام گروپس کے رجحان میں اضافہ ہوا ہے، ان گروپس کا مقصد بظاہر ایک دوسرے کو باخبر رکھنا اور روابط کو مضبوط بنانا ہے لیکن یہ گروپس اختلافات کی آماجگاہ بنتے جا رہے ہیں، جب تک گروپ میں مثبت بات چیت ہوتی ہے، تعلقات خوشگوار رہتے ہیں لیکن جیسے ہی کوئی ایسی پوسٹ یا پیغام سامنے آتا ہے جو دوسروں کو ناگوار گزرے تو بحث و مباحثہ شروع ہو جاتا ہے، بعض اوقات کسی کی خاموشی کو بھی مخالفت سمجھا جاتا ہے جو مزید تنازعات کو ہوا دیتا ہے کئی بار یہ معمولی اختلافات شدید جھگڑوں تک جا پہنچتے ہیں، سوشل میڈیا کا مثبت استعمال تعلقات کو بہتر بنا سکتا ہے اور بے

احتیاطی رشتوں کو تباہی کے دہانے تک لے جاسکتی ہے،اب صورتحال یہ ہے کہ اگر کسی کو شادی سالگرہ یا کسی اور خوشی کے موقع پر مبارکباد نہ دی جائے تو رشتے دار ناراض ہوجاتے ہیں لیکن جب بعد میں دوبارہ خوشی کے موقع پر مبارکباد دی جائے تو فون کر کے شکایت کرتے ہیں کہ پہلے کیوں یاد نہیں رکھا،ایسی چھوٹی باتیں اکثر ناراضگیوں کا سبب بن جاتی ہے اور رشتہ داروں کو وضاحت دینی پڑتی ہے،گروپ میں کسی ایک کو مبارکباد دینے کے بعد کام کے دباؤ کی وجہ سے کسی دوسرے کو مبارکباد نہیں دی گئی تو وہ ناراض ہوجاتے ہیں اور یہ کہتے پھرتے ہیں وہ دولت مند ہے اس لئے انہیں دی گئی ہم غریب ہیں اس لئے نظر انداز کردیا گیا،حال ہی میں تلنگانہ کے سوریا پیٹ کے ایک سوشل میڈیا گروپ سے تعلق رکھنے والے ایک واٹس ایپ گروپ میں ایک شخص نے پوسٹ کیا ایک دوسرے شخص نے اس کی حمایت کی اور تالیوں پر مشتمل ایموجی کے ساتھ جواب دیا، گروپ میں شامل ایک اور یعنی تیسرے شخص نے جھگڑا شروع کردیا کہ اس کی حمایت کیوں کی؟ دیکھتے ہی دیکھتے یہ بڑا مسئلہ بن گیا اور ایک شخص کی جان چلی گئی، پڑوسی ریاست آندھراپردیش کے ضلع گنٹور میں ایک خاندان میں رشتہ داروں نے واٹس ایپ گروپ تیار کیا، ایک شخص نے اپنی بہن کے بچے کی سالگرہ پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے پوسٹ کیا، چند دنوں بعد بھائی کے بچے کی سالگرہ پر مبارک بادی کا پوسٹ نہیں کیا جس پر گروپ میں اختلافات شروع ہوگئے، چند لوگوں نے فون کر کے ایک دوسرے سے ناراضگی کا اظہار کیا، ماہرین کا کہنا ہے کہ سوشل میڈیا پر پوسٹ کرتے وقت سب سے زیادہ ضرورت تحمل اور برداشت کی ہے، ایسے کسی بھی پوسٹ سے گریز کرنا چاہیے جو دوسروں کے جذبات کو مجروح کریں یا رشتہ داروں میں اختلاف پیدا کریں، گروپس میں شیئر کی جانے والی پوسٹس اس نوعیت کی ہونی چاہیے کہ ہر فرد اپنے آپ کو شامل محسوس کریں، بعض اوقات معمولی سی بات بھی غلط مفہوم اختیار کر لیتی ہے، خاندانوں اور دوستوں کے گروپس میں غیر ضروری بحث کے بجائے معلوماتی اور فائدہ مند مواد کو ترجیح دی جانی چاہیے تاکہ یہ گروپس، اختلافات کے بجائے تعلقات کو مضبوط بنانے کا ذریعہ بنے، ایسے گروپس کے ایڈمن کو بھی اپنی ذمہ داری نبھانی چاہیے، اگر کوئی تنازع سر اٹھائے تو فوری مداخلت کر کے معاملے کو سلجھانا اور اختلافات کو ختم کرنا ضروری ہے، ورنہ چھوٹی سی بات بڑے جھگڑے میں بدل سکتی ہے، یہ حقیقت ہے کہ اسوقت جائیداد کے بعد خاندانوں میں اختلافات اور تنازعات کی نئی وجہ سوشل میڈیا ہے، خوشی کے موقع پر مبارکباد نہ دو تو شکایت، اگر دی جائے تو اعتراض، تعلقات کی نئی آزمائش اور کسوٹی بن گیا ہے، معلوماتی اور فائدہ مند مواد کو ترجیح دیں تاکہ یہ گروپس اختلاف کے بجائے تعلقات کو مضبوط بنانے کا ذریعہ بنیں۔

یقیناً! سوشل میڈیا آج کے دور میں ایک طاقتور ذریعہ بن چکا ہے، لیکن اس کا غلط استعمال سماج میں کئی نقصانات کا سبب بن رہا ہے اور اس سے کئی طرح کے مسائل پیدا ہورہے ہیں، آج کے جدید دور میں سوشل میڈیا نے دنیا کو ایک گلوبل ویلیج میں تبدیل کر دیا ہے۔ فیس بک، واٹس ایپ، انسٹاگرام، ٹوئٹر اور دیگر پلیٹ فارمز کے ذریعے لوگ ایک دوسرے سے لمحوں میں جڑ جاتے ہیں۔ لیکن جہاں سوشل میڈیا نے زندگی کو آسان بنایا ہے، وہیں اس کا غلط استعمال سماج کے لئے شدید نقصان دہ ثابت ہورہا ہے، بغیر تصدیق

کے خبریں وائرل کردی جاتی ہیں، جو اکثر جھوٹ یا گمراہ کن ہوتی ہیں۔ یہ جھوٹی خبریں فرقہ وارانہ فساد، بد اعتمادی اور خوف و ہراس کو جنم دیتی ہیں، بعض لوگ سوشل میڈیا کا استعمال دوسروں کی کردار کشی یا مذاق اُڑانے کے لئے کرتے ہیں۔ خاص طور پر نوجوان طبقہ اس کا شکار بنتا ہے، جوان کی ذہنی صحت پر منفی اثر ڈال سکتا ہے، سوشل میڈیا پر غیر ضروری طور پر وقت گزارنا، طلباء اور کام کرنے والے افراد کی کارکردگی پر منفی اثر ڈالتا ہے۔ لوگ گھنٹوں اسکرین پر لگے رہتے ہیں، جس سے ان کی تعلیمی اور پیشہ ورانہ زندگی متاثر ہوتی ہے ایسے ہی کئی بار لوگ اپنی ذاتی معلومات، تصاویر یا ویڈیوز سوشل میڈیا پر شیئر کر دیتے ہیں، جو بعد میں غلط ہاتھوں میں جاسکتی ہیں اور بلیک میلنگ یا فراڈ کا ذریعہ بن سکتی ہیں، کچھ عناصر نفرت انگیز مواد پھیلا کر مختلف برادریوں کے درمیان نفرت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جو سماجی ہم آہنگی کو نقصان پہنچاتا ہے۔ سوشل میڈیا ایک طاقتور آواز اور اہم ذریعہ ہے، لیکن اس کا استعمال سوچ سمجھ کر اور ذمہ داری کے ساتھ کرنا ضروری ہے۔ ہمیں چاہیے کہ سوشل میڈیا کو علم، آگاہی اور مثبت روابط کے لیے استعمال کریں، نہ کہ نفرت، جھوٹ اور نقصان پہنچانے کے لئے۔ سوشل میڈیا جہاں ایک جانب علم، معلومات اور باہمی روابط کا ذریعہ ہے، وہیں دوسری طرف یہ ارتداد (دین سے پھر جانے) جیسے سنگین فتنوں کا بھی ذریعہ بنتا جارہا ہے۔ آج کا دور ٹیکنالوجی کا دور ہے اور سوشل میڈیا ہر فرد کی زندگی کا لازمی جزو بن چکا ہے۔ فیس بک، یوٹیوب، انسٹاگرام، ٹک ٹاک، اور دیگر پلیٹ فارمز نے معلومات تک رسائی آسان بنادی ہے۔ لیکن افسوس کہ ان ذرائع کا استعمال صرف مثبت مقاصد کے لئے نہیں ہورہا ہے، بلکہ یہ دین اسلام کے خلاف ایک خاموش مگر خطرناک مہم کا ذریعہ بھی بن رہے ہیں، جس کے نتیجے میں ارتداد کا فتنہ بڑھتا جارہا ہے۔ بہت سے یوٹیوب چینلز، فیس بک پیجز اور بلاگز ایسے افراد چلارہے ہیں جو خود کو "فکر انگیز" یا ''سوال اٹھانے والے ذہن'' ظاہر کرتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ اسلام کے بنیادی عقائد پر حملے کرتے ہیں۔ نوجوان جب بغیر علم و تحقیق کے ایسے مواد کو دیکھتے ہیں تو ان کے ذہن میں دین کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں۔ سوشل میڈیا پر ایک مخصوص سوچ کو فروغ دیا جا رہا ہے کہ مذہب انسان کی ترقی میں رکاوٹ ہے، یا مذہب صرف ایک قدیم دقیانوسی نظام ہے جو جدید دور سے ہم آہنگ نہیں۔ یہ بیانیہ نوجوان نسل کو دین سے دور کررہا ہے اور آہستہ آہستہ ارتداد کی طرف لے جارہا ہے، مغربی افکار اور دہریت پر مبنی نظریات کو ''سائنس'' اور ''عقلی سوچ'' کے نام پر پیش کیا جاتا ہے، اور دین کو ایک دقیانوسی تصور بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ ایسے ویڈیوز اور تحریریں نوجوانوں میں بڑھتی جارہی ہیں، جو دین سے بے زاری اور آخرکار ارتداد پر منتج ہوتی ہیں۔ زیادہ تر نوجوان سوشل میڈیا سے متاثر اس لئے ہوتے ہیں کہ ان کے پاس اسلامی عقائد کی مضبوط بنیاد موجود نہیں ہوتی۔ جب ان کے عقائد پر اعتراضات کیے جاتے ہیں، تو وہ ان کا علمی جواب نہیں دے پاتے اور شکوک وشبہات میں پڑ جاتے ہیں۔ سوشل میڈیا پر باقاعدہ مہم کے ذریعے علمائے دین، مدارس اور اسلامی نظام کی توہین کی جاتی ہے، جس سے عوام الناس، خاص طور پر نوجوان، دین سے بدظن ہورہے ہیں۔ ان حالات سے نمٹنے کیلئے مندرجہ ذیل تجاویز پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

1-اسلامی تعلیمات کا فروغ:

والدین، اساتذہ اور دینی اداروں کو چاہیے کہ وہ بچوں اور نوجوانوں کو مضبوط عقائد اور دین کا درست فہم فراہم کریں۔

2-دینی اسکالرز کی آن لائن موجودگی:

مستند علماء کو سوشل میڈیا پر فعال ہو کر نوجوانوں کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے سوالات کا علمی انداز میں جواب دینا چاہیے۔

3-بچوں کی آن لائن سرگرمیوں پر نگرانی:

والدین کو چاہیے کہ وہ بچوں کی سوشل میڈیا سرگرمیوں پر نظر رکھیں اور انہیں مفید، مثبت اور دینی مواد کی طرف راغب کریں۔

4-شکوک کا حل مکالمے سے:

جو نوجوان دین کے بارے میں شکوک میں مبتلا ہوں، انہیں تنقید کا نشانہ بنانے کے بجائے ان سے مکالمہ کیا جائے اور ان کی الجھنوں کا احترام سے جواب دیا جائے۔ سوشل میڈیا کے ذریعے ارتداد کا فتنہ ایک سنجیدہ چیلنج بن چکا ہے، جس کا مقابلہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ہم علم، حکمت، برداشت، اور دین کی صحیح تعلیمات کے ساتھ نوجوان نسل کی رہنمائی کریں۔ ہمیں صرف تنقید نہیں، بلکہ تعمیری انداز میں سچائی کو پیش کرنا ہوگا، سوشل میڈیا کا مثبت استعمال اور منظم لائحہ عمل کے ذریعے سماج اور معاشرے میں بڑھتی دوریوں اور اختلاف و انتشار سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔

(مضمون نگار، معروف صحافی اور کل ہند معاشرہ بچاؤ تحریک کے جنرل سکریٹری ہیں)

☆☆☆

فرید سحر-حیدرآباد (انڈیا)

غزل

ایک چھوٹی سی طرحی کاوش (طنز و مزاح) بطرح ''پردۂ چشم سے لہو نکلا'' ملاحظہ فرمائیں!

اپنے گھر سے میں با وضو نکلا
سیندھی پی کے مگر گُھڑو نکلا

شعر اس نے مرے سُنا ڈالے
میرا چیلا مرا گرو نکلا

دوستوں سے نہیں گلہ کوئی
جب مرا بھائی ہی عدو نکلا

شور محفل میں مچ گیا یارو
شعر میں جب مرے غلو نکلا

سب لطیفے تھے ٹھیک ہی اس کے
اک لطیفہ مگر بلو نکلا

میں بھی شامل ہوا شہیدوں میں
میری اُنگلی سے جب لہو نکلا

اس کو ہلکا بُخار سمجھا تھا
پر سحر کیا کروں فلو نکلا

عبدالرحمٰن پاشا۔حیدرآباد

دُرِّ یتیم: سیرت النبیؐ کے موضوع پر کتابوں کی کتاب

یوں تو حضرت محمدﷺ کی زندگی ---سیرت النبیؐ--- پر بے شمار چھوٹی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ سیرت النبیؐ پر دنیا کی ہر زبان میں ہر طرح کا لٹریچر دستیاب ہے۔ کسی ناول نگار نے حضورؐ کی پوری زندگی کے ایک ایک واقعہ کو اپنے ناول یا افسانہ میں پیش کیا ہے(1)۔ کسی محقق نے پوری تحقیق و تفتیش کے بعد مکمل ذمہ داری کے ساتھ سیرت کے موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ کسی مورخ نے تاریخی حقائق اور ماہ و سال کی باریکیوں کے پیش نظر حضورؐ کی زندگی اور اس دور کو مورخانہ بصیرت کے ساتھ پیش کیا(2)۔ کسی فوجی جرنل نے حضورؐ کی عسکری زندگی، فتوحات اور قیام امن کے سلسلے میں کی گئی کوششوں کو منظر عام پر لایا ہے۔ (3) کئی مصنفین نے حضوؐ کی سیاسی زندگی، نظام حکومت اور جہاں بانی کو اپنے قلم و قرطاس کا موضوع بنایا ہے(4)۔ کسی شاعر نے حضورؐ کے حسن و جمال اور جلال و کمال کو شاعرانہ فن اور بحر و رموز کے ساتھ الفاظ کی زبان عطا کی ہے، تو کسی صاحب قلم نے حضورؐ کو بطور ماہر تعلیم، معلم انسانیت کے پیش کیا اور کئی مصنفین نے حضورؐ کے حکمت انقلاب اور منہج انقلاب کو پیش کیا ہے۔(5)

سیرت النبیؐ پر لکھی گئی ہر کتاب کا اپنا انداز ہے۔ اپنا طرز بیان ہے۔ ہر مصنف نے کئی کئی زاویوں سے حضورؐ کی حیات کو پیش کیا۔ ہر زاویہ منفرد، نیا، فکر انگیز اور دلچسپ ہوتا ہے اور بے مثال بھی! خاکسار نے علامہ سید سلیمان ندوی کی خطبات مدراس، مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی نبی رحمتؐ، نعیم صدیقی کی محسن انسانیتؐ اور ماہر القادری کی دریتیم پڑھا ہے۔

ان کتابوں کے ضمن میں اوپر جو الفاظ لکھے گئے ہیں؛ یہ مبالغہ نہیں، یہ صرف الفاظ نہیں؛ بلکہ ان کتابوں کے سلسلے میں انصاف پر مبنی تاثرات ہیں۔ ان کتابوں میں ”سلام اس پر کہ جس نے پتھر کھا کر بھی پھول برسائے“ سلام اور ”قرآن کی فریاد“ نظم کے شاعر ماہر القادری کی کتاب 'دُریتیم' کی بات تو کچھ اور ہی ہے۔ خود صاحب کتاب نے لکھا ہے کہ ”قلم ہزاروں سطریں کاغذ پر نقل کر چکا، مگر محمد رسول اللہؐ کے کسی ایک وصف کی بھی پوری تصویر نہ کھینچ سکی۔۔۔ لیکن اہل نظر اور ارباب ذوق کے لیے ان ادھورے خاکوں میں ہی بہت کچھ عبرت و بصیرت کے سامان مل سکتے ہیں۔ دل میں درد اور طبیعت میں اخلاص ہو تو برگ و گل کو دیکھ کر عبرتیں حاصل کی جا سکتی ہیں اور ارباب بصیرت کے لیے گھاس کی ایک پتی بھی صحیفہ فطرت سے کم نہیں اور اس کتاب میں تو حقائق و واقعات پیش کیے گئے ہیں۔ ان واقعات میں صداقت ہے، زندگی ہے اور جان ہے۔“(6)

راقم نے مذکورہ کتاب کو سال 2017 میں خرید کر رکھ لیا تھا، اسے پڑھنے کا موقع سال 2023 میں پہلی بار مدینہ منورہ حاضری کے موقع پر ملا۔ یہ ”دریتیم“ میرے سفر مدینہ کا بہترین دوست رہا۔ 10 تا 24 اپریل 2023 تک مسجد نبویؐ میں قیام رہا، دوران قیام قربت نبوی کا بار بار احساس ہوتا رہا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اپنے دور میں حضورؐ نے یہاں نماز ادا کی ہوگی۔ یہاں بیٹھ کر اپنے رفقا یعنی صحابہ کرامؓ سے باتیں کی ہوگی۔ ارے! ہاں

یہ وہی جگہ ہوگی جہاں بڑے بڑے صحابہ کرامؓ تشریف رکھتے تھے ہوں گے۔ یہ وہی جگہوں میں سے ایک ہے، جہاں سے حق کی روشنی پھیل کر دنیا کے کونے کونے کو جگمگا اٹھی۔ اسی مقام خاص پر بیٹھ کر 'دریتیم'، ابن عبداللہ، نور اللہ، آمنہ کے لال اور وجہ تخلیق کائنات کے بارے میں پڑھنے کا موقع ملا۔

کتاب 'دریتیم' عجیب انداز میں لکھی گئی ہے۔ جادوئی انداز ہے! انشا پردازی اور تحریر کا حسن تو انتہائی اعلیٰ درجہ پر فائز ہے۔ یہ کتاب تخیلات کا مرقع ہے۔ ناول کا سا انداز ہے۔ پڑھنے، پڑھتے رہنے اور مزید پڑھنے کا شوق بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ مصنف نے لکھا ہے کہ ''ناولوں اور افسانوں کی بنیاد خود تراشیدہ خاکے ہوتے ہیں جن میں انشا پرداز کا تخیل رنگ بھرتا ہے۔ ''دریتیم'' بھی ناول کے انداز پر لکھا گیا ہے لیکن اس ناول کا ''ہیروؔ'' وہ ''انسان کامل'' ہے، جس سے بہتر انسان پر آج تک سورج طلوع نہیں ہوا۔ یہی ذات گرامی خلاصہ کائنات، فخر موجودات اور شرف انسانیت ہے۔ اس لیے ''دریتیم'' میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ملے گا جو اس زبان حق ترجمان ہے کہ ''وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوَی اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُوحَی'' کی مصداق ہے، نہ ادا ہوا ہو اور اس کتاب میں شامل کر دیا گیا ہو۔ اس ناول کے واقعات تاریخی اساس اور روایتی شہادتیں رکھتے ہیں، درایت کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ ہم حبابوں اور آب گینیوں کی اس منزل سے بڑی احتیاط کے ساتھ گزرے ہیں۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ بعض کیفیات اور تفصیلیں ''زبان حال'' سے بیان ہوئی ہیں جن میں ناول نگار کی تخئیل بھی شامل ہوگئی ہے۔''(7)

دریتیم کے ہر پیراگراف میں ایک نیا تجسس، نیا احساس اور نیا تجربہ ہوتا ہے۔ یوں تو سیرت النبیؐ کے موضوع پر کئی کئی جلدوں پر محیط کتابیں لکھی گئی ہیں۔ سیرت کے ہر واقعہ کی تفصیل موجود ہے۔ سیرت کے موضوع کو مکمل کرنے کے لیے بحر بیکراں چاہیے۔ بحر بیکراں کا ایک نہ ایک دن ساحل آجائے گا لیکن سیرت النبیؐ کا موضوع ختم نہیں ہوگا۔ ''دریتیم'' محض 262 صفحات پر مبنی ہے اور قیمت سو روپیے ہیں، جسے مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، نئی دہلی نے شائع کیا۔ دریتیم میں حضورؐ کی کتابِ زندگی کے ہر ہر ورق کو مختصر مگر جامع انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ مذکورہ کتاب میں کسی بھی اہم واقعہ کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ ایسا لگتا ہے دریتیم سیرت کی کتابوں کا مجموعہ ہے۔ گلوں میں بھی گل سرسبد ہے۔ سیرت النبیؐ پر لکھی گئی کتابوں کی کتاب ہے۔ جس کو بھی اردو پڑھنا آتا ہو، اسے یہ کتاب ضرور پڑھنا چاہیے۔ اگر اس نے یہ کتاب نہ پڑھی ہو تو گویا اس نے کچھ بھی نہیں پڑھا۔ کیونکہ یہ کتاب تو سیرت النبیؐ کے موضوع پر لکھی گئی ہے لیکن اردو زبان میں بہترین انشا پردازی پر مبنی لاثانی کتاب ہے۔ کتاب میں کئی احساسات و جذبات کو بہترین انداز میں پیش کیا گیا۔ مصنف نے کتاب میں اہل اسلام کے ساتھ ساتھ دشمنان اسلام دونوں کے جذبات کی بھی مکمل عکاسی کی ہے۔ دشمنان اسلام نے چراغ مصطفویؐ کو گل کرنے کے لیے جو جو چالبازیاں کیں، ان کے کیا جذبات تھے؛ اسے بھی مصنف نے بہ خوبی پیش کیا ہے۔ اوپر کتاب کے سلسلے میں جو تاثرات پیش کیے گئے ہیں، وہ بہت کم ہیں۔ آپ خود کتاب پڑھیں گے تو آپ بھی اس سے محظوظ ہوں گے۔

(یہ تحریر مسجد نبویؐ، مدینہ منورہ میں 29 رمضان المبارک 1444 بمطابق 20 اپریل 2023 کو لکھی گئی۔)

حوالہ جات:

(1) ''دُرِّ یتیم'' از ماہر القادری، ناشر مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، دہلی، سال اشاعت فروری 2015 اور ''محمد رسول اللہؐ'' از توفیق الحکیم، ترجمہ عطیہ خلیل عرب افسانوی انداز میں لکھا گیا ہے۔

(2) علامہ شبلی نعمانی کی 'سیرت النبیﷺ' میں جا بجا تاریخی حوالے

جات ملیں گے۔ اسی طرح مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری کی 'الرحیق المختوم' بھی قابل ذکر ہے۔ 'الرحیق المختوم' رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے زیر اہتمام منعقدہ سیرت نگاری کے عالمی مقابلہ میں اول آنے والی عربی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔

(3) اس ضمن میں ان کتابوں کا مطالعہ مفید ہوگا:

''حدیثِ دفاع: نبی اکرمؐ کے دفاعی اور سیاسی اصولوں کے آئینہ میں'' مصنف جنرل محمد اکبر خان، ناشر مکتبہ رحمانیہ پبلیشرز اینڈ بک سیلر، دیوبند، سال اشاعت ستمبر 1978

''رسول اکرمؐ بحیثیت سپہ سالار'' مصنف مولانا عبدالرحمٰن کیلانی، ناشر اعتقاد ہاؤس پرائیوٹ لیمٹیڈ، دہلی، سال اشاعت: غیر موجود

''حضرت محمد ﷺ کی جنگیں'' مصنف ڈاکٹر شاہ عباد الرحمٰن نشاط، ناشر ابوالحسن علی ندوی اسٹڈی سرکل نئی دہلی، سال اشاعت: غیر موجود

(4) حضورؐ کی سیاسی حکمت بصیرت اور طرز حکمرانی کے ضمن میں ان کتابوں کا مطالعہ مفید ہوگا:

''محسن انسانیت'' مصنف نعیم صدیقی، ناشر مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، دہلی، سال اشاعت فروری 2013

''رسول کرمؐ کی سیاست خارجہ'' مصنف پروفیسر محمد صدیق قریشی، ناشر تاج کمپنی، دہلی، سال اشاعت 2000

''عہد نبویؐ کا نظام حکومت'' مصنف پروفیسر یاسین مظہر صدیقی، ناشر ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ، سال اشاعت 1994

''رسول اللہؐ کی حکمرانی و جانشینی'' مصنف ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ترجمہ پروفیسر خالد پرویز، ناشر فرید بکڈ پو دہلی، سال اشاعت ستمبر 2005

''رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی'' مصنف ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ناشر تاج کمپنی دہلی، سال اشاعت 2018

''عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی'' مصنف ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ناشر اسلامک بک فاؤنڈیشن دہلی، سال اشاعت 1995

(5) اس موضوع پر یہ کتابیں قابل ذکر ہیں:

''عہد نبویؐ کا نظام تعلیم''، مصنف ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ناشر ڈاکٹر محمد یوسف الدین ادبی ومذہبی ٹرسٹ، سال اشاعت 2007

پروین شاکر

غزل

ملال ہے مگر اتنا ملال تھوڑی ہے
یہ آنکھ رونے کی شدت سے لال تھوڑی ہے

بس اپنے واسطے ہی فکر مند ہیں سب لوگ
یہاں کسی کو کسی کا خیال تھوڑی ہے

پروں کو کاٹ دیا ہے اڑان سے پہلے
یہ خوف ہجر ہے شوقِ وصال تھوڑی ہے

مزا تو تب ہے کہ ہار کے بھی ہنستے رہو
ہمیشہ جیت ہی جانا کمال تھوڑی ہے

لگانی پڑتی ہے ڈبکی ابھرنے سے پہلے
غروب ہونے کا مطلب زوال تھوڑی ہے

''رسول اکرمؐ کی حکمت انقلاب'' مصنف سید اسعد گیلانی، ناشر نیو کریسنٹ پبلیشنگ کمپنی دہلی، سال اشاعت مارچ 2014

''منہج انقلاب نبویؐ'' منصف ڈاکٹر اسرار احمد مرتبہ شیخ جمیل الرحمٰن، ناشر فرید بکڈ پو دہلی، سال اشاعت ستمبر 2004

(6) دریتیم، ماہر القاری۔ صفحہ نمبر 264، ناشر مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشر، نئی دہلی، سال اشاعت: فروری 2015

(7) ایضاً صفحہ نمبر 7

محمد عبدالحفیظ اسلامی۔ خطیب مسجد صالحہ قاسمؒ وسینئر کالم نگار

نیا سفر ہے نئی منزلیں بلاتی ہیں

روزنامہ زمیندار کے ایڈیٹر و مالک، فدائے ملت، حضرت مولانا ظفر علی خان صاحب مرحوم نے جو ایک بڑے شاعر بھی تھے، ملت اسلامیہ کو جگانے اور ان کے اندر شعور بیدار کرنے ایک ہی شعر میں پوری بات بتلادی جو آج بھی لمحہ فکر دے رہی ہے کہ

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

غالباً اس شعر کو بابائے اردو صحافت نے قرآن حکیم کی (سورۃ الرعد:۱۱) کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہا ہوگا، جس کی ترجمانی اس طرح ہے۔

''حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں
بدلتا، جب تک کہ وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں
بدل دیتی'' (ترجمانی از سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ انسانی زندگی نقل وحرکت، سعی وعمل سے ہی عبارت ہے، ورنہ اسے فالج زدہ یا نیم مردہ اجسام کہا جائے گا۔ اگر انسان کی بناوٹ وساخت پر غور کریں اور اس کی صلاحیتوں و طاقتوں اور جرأت و برداشت، لیاقت واستعداد کا اندازہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ تخلیق انسان کا مقصد اور ان کی زندگی، حرکت عمل کے بغیر ناممکن ہے۔ جناب اسلم طارق بھٹی صاحب اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ ''یہ ہاتھ اور ان کی قوت گرفت، یہ پاؤں اور ان کی قوت خرام، یہ آنکھیں اور ان کی قوت بصارت، یہ کان اور ان کی قوت سماعت یہ زبان اور اس کی قوت گویائی وبیان، یہ دل اور اس کی قوت احساس، یہ دماغ اور اس کی صلاحیت فکر وخیال اور قوت عقل وتدبیر وغیرہ ساری کی ساری چیزیں بتارہی ہیں کہ انسانی زندگی سعی وعمل اور نقل وحرکت ہی سے عبارت ہے، آیت شریفہ ''**لیس الانسان الا ما سعی**'' میں بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اگر انسان کی داخلی حیثیت کی طرف سے صرف نظر کرکے اس کے خارجی ماحول کو دیکھا جائے تو بھی ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اجرام فلکی کی گردش، صبح و شام کا ظہور، برق وباراں کے ہنگامے، ہواؤں کی تعریف اور بحر ذخار کا تلاطم غرض کہ کائنات کی ایک ایک شئے کی جنبش و حرکت زبان وحال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ زندگی حرکت وعمل کا دوسرا نام ہے۔ (اقتباس) علامہ اقبالؒ حرکت عمل کو زندگی قرار دیتے ہیں:

کیوں تعجب ہے مری صحرا نوردی پر تجھے
یہ تگا پوئے دمادم زندگی کی ہے دلیل

علامہؒ کی نگاہ میں صحرنوردی مسلسل حرکت کا استعارہ ہے، جو اس حقیقت کو روشن کرتی ہے کہ قدرت کے کارخانے میں سکون محال ہے اور انسان کیلئے حرکت وعمل کے بغیر زندگی حقیقی زیست نہیں کہلاتی۔

آج ہمارے سامنے جو حالات آرہے ہیں یہ وہی حرکت

وعمل کے انجماد اور غیر متحرک ہو جانے کا نتیجہ ہے، شعور والی آنکھ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اب ساری دنیا میں ہر نیا دن نئی آزمائش اور ظلم وستم کی خبر کے ساتھ نمودار ہوتا ہے۔

دوسری جانب ملت کی جو صورتحال ہے اور ان کے اندر بے عملی وکوتاہی جو پنپ گئی ہے یہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ (الا ماشاء اللہ) اب ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ہم اپنے مالک سے بے وفائی کر رہے ہیں، ہماری زندگیوں میں نفاق کی کیفیت پائی جا رہی ہے، تھوڑے سے مفاد دنیا کیلئے، دین پر کنارہ کنارہ چلنا ہنر سمجھا، اپنے مفاد کو ملت کے مفاد پر ترجیح دینے لگے، اللہ تعالیٰ کی محبت میں کمی، مال و دولت پر فریفتہ ودلدادہ ہوئے، کیا ہم اپنے آپ کو بدلے بغیر حالات کے بدلنے اور اس میں تبدیلی کی امید کر سکتے ہیں؟ آج وہ کونسا کام ہم نہیں کر رہے ہیں جو ایک دنیا پرست دین بیزار ومنکر آخرت شخص کیا کرتا ہے (الا ماشاء اللہ) آج ملت اسلامیہ ہند کی حالت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ بے عمل اور سہل پسند ہو چکی ہے، قرون اولیٰ میں شاہینیت پائی جاتی تھی اب آسمان ان شاہینوں سے خالی نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد و توکل میں کمی نے ہمارے اندر بے یار ومددگار ہونے کا احساس پیدا کر دیا، عقیدہ وعمل میں کجی نے ملت کے اندر باطل سے مرعوبیت پیدا کر چکی، ایمان میں توحید، اعمال میں سنت نبویؐ نے سابقون الاولون میں جو جذبہ وحوصلہ اور قربانی پیش کرنے کی جو اسپرٹ پیدا کر چکی تھی شاید ہم لوگ اسے گنواں چکے!

آج باطل ہر طرف غرا رہا ہے، گھمنڈ وتکبر کرتے دکھائی دے رہا ہے، تنگ مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہوئے، اعلانیہ طور پر دن کے اجالے اور قانون کے رکھوالوں کی موجودگی میں مسلمانان ہند کے بارے میں نفرت پھیلائی گئی اور صاف ذہن ہندو برادری کو مشتعل کرنے کیلئے ہندوستان کی تاریخ کو مسخ کر کے پیش کیا گیا، اس طرح ملک عزیز ہندوستان کی ہر ریاست میں ظلم کی چکی تیز گام ہو چکی ہے جس میں مسلمان ہی زیادہ پسے جا رہے ہیں، یوں تو آزادی ہند کے بعد سے ہی مسلمانوں کو دوسرے درجہ کا شہری بنانے کی کوششیں کی جاتی رہی اور اس کے لیے نصف صدی سے زمین ہموار کی جاتی رہی، لیکن مسلمانوں کے خلاف جو کام پچھلے 60 برسوں میں نہیں ہوا جتنا کہ حالیہ گزرے ہوئے 15 برسوں میں ہوا۔ ملک میں جمہوریت مخالف اور فسطائی و جبر وتشدد پر یقین رکھنے والی طاقتیں اس ملک کی ہمہ رنگی تہذیب وتمدن کی جگہ ایک خاص طریقہ زندگی کو مروج کرنا چاہتی ہیں، لہٰذا اب مسلمانوں کے مذہبی تشخص اور ان کے بنیادی عقائد اور عبادات پر بھی خطرات کے کالے بادل منڈلا رہے ہیں اور ہر طرف شمال سے جنوب تک چھا چکے ہیں، اور روزانہ یہ کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی شکل میں برس پڑتے ہیں، نتیجتاً اس ملک کی ایک بڑی اقلیت سب سے زیادہ متاثر ہوئی ہے، (سورۃ الرعد: ۱۱) کی ترجمانی کرتے ہوئے مولانا ظفر علی خان مرحوم نے مسلمانوں کو آگاہ فرما دیا تھا کہ جو قوم اپنی حالت کو بدلنا نہیں چاہتی اور اپنی بے عملی کی زندگی سے نکلنا نہیں چاہتی تو پھر اللہ تعالیٰ انہیں باعمل ہونے کی نہ توفیق بخشا اور نہ ہی ملک مرض سے نجات دیتا ہے۔

آج ہمارے ملک میں فسطائیت، فرقہ پرستی وتعصب اور مذہبی طرف داری کا مرض عام ہو گیا جس کی زد میں ملت اسلامیہ جکڑی جا رہی ہے، اس مہلک مرض سے نکلنے کیلئے ہر آدمی اپنے اپنے طبع ذات طریقہ اپنا رہا ہے اور ہر طریقہ ونسخہ لاعلاج ثابت ہو رہا ہے، شاد لکھنوی نے بہت درست بات

کہی، وہ ایک شعر کے مصرع ثانی میں کہتے ہیں: ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' یہ امت اپنے پسندیدہ ملک عزیز ہندوستان میں پچھلے 70 برسوں میں مالی و جانی نقصان اٹھا چکی، عزت و آبرو کے علاوہ عصمتوں کو بھی لٹا چکیں، اب جو صورتحال پیدا ہوگئی ہے وہ یہ کہ ان کا مذہبی تشخص اوران کے شخصی مذہبی قوانین پر حملے ہورہے ہیں، پچھلے سال قرآن میں تبدیلی کی نامعقول بات کہی گئی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نازیبا و ناشائستہ بیانات دیئے جاتے رہے، ایک خاص مذہبی اسٹیج سے مذہبی رہنماؤں نے مسلمانوں کے قتل عام پر لوگوں کو اکسایا، مسلم خواتین کے تعلق سے (ناقابل بیان) اعلانیہ طور پر گندی و بے حیا باتوں کا پرچار کیا گیا۔ اب مسلم خواتین کے حجاب پر پابندی کی بات کی جارہی ہے۔ اگر چہ کہ یہ ابھی تعلیمی اداروں تک محدود ہے لیکن آگے کے ایام میں اس کا دائرہ وسیع کیا جائے گا۔ اسلامی مدارس کے نصاب پر بھی انگلی اٹھائی جارہی ہے۔ وہ دن قریب محسوس ہورہے ہیں کہ ان کے نصاب پر بھی کنٹرول کیا جائے گا، کرتا پاجامہ جالی دار ٹوپی کا بار بار حوالہ دیا جارہا ہے تا کہ مسلمان آگے چل کر اس امتیازی نشانی سے بھی مجتنب ہوں۔ ایک اور دل دہلا دینے والی بات یہ کہ مسلم نوجوان لڑکیوں کو نام نہاد محبت کے جال میں پھنسا کر مرتد بنا دینا اور کسی بھی نوجوان پر جھوٹے الزام لگا کر اس پر ہجومی تشدد کرتے ہوئے زخمی کرنا اور موت کے گھاٹ اتار دینا وغیرہ ان ساری باتوں پر امت کو سنجیدگی کے ساتھ نوٹس لینا چاہئے تھا، لیکن ایسا محسوس ہورہا ہے کہ امت کا ایک بڑا طبقہ بے حسی و بے عملی کا شکار ہو چکا ہے۔

اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ملت اسلامیہ غلط روی، بے راہ روی اور جملہ غلط کاریوں سے مکمل اجتناب کریں اور جب تک ملت کے ایک ایک فرد کے اندر صالح ارتقائی کیفیت پیدا نہیں ہوگی اس وقت تک ایک انقلابی و مثالی معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا۔ موجودہ حالات میں تبدیلی وحصول امن و سلامتی اور فلاح و کامیابی کی منزل تک پہنچنے کیلئے ملت اسلامیہ ہند کو اپنے اندر سے کج اعتقادی و عملی گمراہی سے انفرادی و اجتماعی ہر طور پر باہر آنا ہوگا، اگر ہم موجودہ ڈگر پر چلتے رہیں گے تو منزل مقصود کو پانا محال ہو جائے گا، نتیجتاً دنیا کی ذلت و آخرت کی رسوائی مقدر بن جائے گی۔

آزادی ہند کے بعد سے آج تک ہم کئی منزلیں طے کر چکے اب ہمارے سامنے ایک نئی اور کٹھن منزل ہے اسے پار کرنے کیلئے ہمیں از سر نو غور کرنا ہوگا، بحیثیت مسلم و مومن اپنے حقیقی منصب و نصب العین پر پوری توجہ اور اخلاص کے ساتھ گامزن ہونا ہوگا، اپنی عبادات، اپنے اخلاق، اپنی معاشی ڈگر، اپنی معاشرت اور حقوق اللہ و حقوق العباد کے سارے معاملات کا انفرادی و اجتماعی جائزہ لینا ہوگا، تب جاکر اللہ کی رضا و خوشنودی حاصل ہوگی، اگر ہمارا کارواں بے راہ روی و بے ڈھنگے طریقہ پر چلتا رہا تو ہماری منزل ہم سے بہت دور ہو جائے گی، اسی فکر کو ذہن میں رکھ کر شاعر نے کہا ہے کہ ''غلط روی سے منازل کے بعد بڑھتے ہیں'' ملک میں نئے نئے مسائل جو پیدا ہورہے ہیں، امت کو جن مشکلات کا سامنا درپیش ہے اس پر قابو پانے کیلئے میدان عمل میں آنا ہوگا۔ متحرک قیادت کو پروان چڑھانا ہوگا جو کسی بھی مسلک سے اوپر اٹھ کر مسلمانوں کو ملت واحدہ بنا کر ان میں اتحاد و اتفاق پیدا کرے اور ان کے حقیقی نصب العین کی طرف رہنمائی کرے۔

ان ہی حالات کے پیش نظر شاعر نے کہا ہے۔

نیا سفر ہے نئی منزلیں بلاتی ہیں
مسافرو روش کارواں بدل ڈالو

ڈاکٹر حفصہ بیگ بنت الطاف بیگ۔ لکچرر شعبۂ اردو کووَیمپو یونیورسٹی، سہیادری کالج کیمپس، شموگہ۔ کرناٹک

علامہ اقبال کی شخصیت اور فکر

حکیم الامت، شاعر مشرق، ڈاکٹر علامہ محمد اقبال بیسویں صدی کے ان گراں مایہ مفکرین میں سے ہیں جن کے افکار آج بھی انسانی شعور کو مہمیز دیتے اور نئی جہات عطا کرتے ہیں۔ اقبال صرف ایک شاعر نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔ وہ مفکر اور فلسفی بھی تھے، مصنف اور قانون دان بھی، اور تحریک پاکستان کے روحرواں بھی۔ ان کی ذات میں اخوت و محبت، حرکت و عمل، اخلاق و استقلال اور عزم و ہمت کا وہ پیغام جلوہ گر ہے جس نے برصغیر کے مسلمانوں کو فکری اور عملی زندگی کا نیا راستہ دکھایا۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال کی شاعری میں ایک ہمہ گیر ربط اور فکری تسلسل ملتا ہے۔ ان کے تخیل کی اساس تصوف، احیائے اسلام اور قرآن و سنت کی تعلیمات پر قائم تھی۔ چنانچہ جب برصغیر کے مسلمان فکری جمود اور ناامیدی کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے تھے، اقبال نے اپنے اشعار اور افکار سے انہیں روشنی کی راہ دکھائی۔

اقبال کے والد، شیخ نور محمد ایک نہایت خداشناس اور صوفی منش شخصیت تھے۔ ان کا تعلق دراصل کشمیر کے سپرد برہمنوں کے خاندان سے تھا، جن کے ایک بزرگ نے اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں اسلام قبول کیا تھا۔ بعد ازاں اٹھارویں صدی کے اواخر میں اقبال کے آباؤ اجداد نے کشمیر سے ہجرت کی اور سیالکوٹ کے محلّہ کھیتیاں میں سکونت اختیار کی، جہاں وہ کشمیری لوئیوں اور دھسوں کی تجارت کرنے لگے۔ بعد ازاں یہی خاندان سیالکوٹ کے مشہور بازار چوڑی گراں میں منتقل ہوا، جو آج اقبال بازار کے نام سے معروف ہے۔

اقبال کی پیدائش سے قبل شیخ نور محمد نے ایک خواب دیکھا جس میں ایک وسیع میدان تھا اور فضا میں ایک سفید کبوتر گردش کر رہا تھا۔ کبھی وہ زمین کے قریب آتا، گویا زمین کی تقدیر بیدار ہونے کو ہے، اور کبھی بلندیوں پر پہنچ کر ستارے کی مانند آسمان سے جاملتا۔ لوگ دیوانہ وار اُسے پکڑنے کی کوشش کرتے مگر وہ کسی کے ہاتھ نہ آتا۔ کچھ دیر بعد اچانک وہ کبوتر غوطہ لگا کر شیخ نور محمد کی جھولی میں آگرا۔ آسمان سے زمین تک ایک قوس قزح کی مانند منظر بن گیا۔ شیخ نور محمد جب خواب سے بیدار ہوئے تو ان کے دل میں یہ یقین جاگزیں ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ایک ایسا فرزند عطا کرے گا جو دین اسلام کا نام روشن کرے گا۔

یوں 9 نومبر 1877ء کو برصغیر کے تاریخی شہر سیالکوٹ میں شیخ نور محمد کے گھر محمد اقبال کی ولادت ہوئی۔ بڑے بھائی شیخ عطا محمد نے فوجی ملازمت اختیار کی مگر بعد میں اسے چھوڑ کر انجینئر نگ کی تعلیم حاصل کی اور مالی لحاظ سے کامیاب زندگی گزاری۔ شیخ نور محمد صوفی مزاج ہونے کے باعث اقبال کے لیے صرف دینی تعلیم کو کافی سمجھتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے ابتدائی تعلیم کے لیے آپ کو محلّہ شوالہ کی مسجد میں مولانا غلام حسن کے سپرد کیا، جہاں سب سے پہلے قرآن مجید کی تعلیم دی گئی۔ کچھ عرصے بعد معروف عالم دین مولانا سید میر حسن نے اقبال کو دیکھا اور والد سے اصرار کیا کہ اس باصلاحیت بچے کو صرف دینی نہیں بلکہ جدید علوم سے بھی آراستہ کیا جائے۔ چنانچہ اقبال کو مولانا میر حسن کی

سرپرستی میں دیا گیا۔ یہی وہ شخصیت تھیں جنہوں نے اقبال کے ذہن وشخصیت کی تشکیل میں بنیادی کردارادا کیا۔

درحقیقت اقبال اپنی عملی زندگی میں ایسے باوقار اور باعزت ذریعہ معاش کے خواہاں تھے جو نہ صرف انہیں زندگی بسر کرنے کا سہارا دے بلکہ ان کے فکری اور تخلیقی مشاغل کو بھی تکمیلی صورت عطا کرے۔ چنانچہ 1910ء میں آپ نے حیدرآباددکن کا سفراختیار کیا جہاں آپ کے پرانے رفیق مولانا گرامی پہلے سے مقیم تھے۔ اس قیام کے دوران اقبال کی ملاقات کئی اہم اور مقتدر شخصیات سے ہوئی، جن میں سراکبر حیدری اور مہاراجہ سرکشن پرشاد کے نام بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ چندروز کے قیام کے بعد جب آپ واپس روانہ ہوئے تو راستے میں اورنگ آباداترے اور بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے مزار کی زیارت سے فیض یاب ہوئے۔ اس کے بعد لاہور پہنچ کر دوبارہ اپنی معمول کی زندگی میں مشغول ہو گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اقبال کے لیے تدریس اور وکالت کو ساتھ ساتھ لے کر چلنا دشوار ہوتا جارہا تھا۔ اسی بنا پر آپ نے چند ماہ بعد گورنمنٹ کالج سے استعفا پیش کردیا، البتہ اس ادارے سے کسی نہ کسی حیثیت میں آپ کا تعلق قائم رہا۔ اس کے ساتھ ہی برصغیر کی مختلف جامعات نے بھی آپ سے علمی روابط قائم کیے۔ آپ پنجاب، علی گڑھ، الہ آباد، ناگ پور اور دہلی یونیورسٹی کے ممتحن مقرر ہوئے، اور مختلف جامعات کے امتحانات میں شرکت کے لیے آپ کو بارہا سفر کرنا پڑا۔ اگر اقبال کی ازدواجی زندگی پر نظر ڈالی جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس پہلو سے زیادہ خوش وخرم نہ تھے۔ ابھی میٹرک کا امتحان ہی پاس کیا تھا کہ والدین کے اصرار پر گجرات کے ایک معزز گھرانے میں آپ کی شادی کردی گئی۔ اقبال نے اس رشتے کو محض فرماں برداری اور سعادت مندی کے تحت قبول کیا۔ اگرچہ عملی زندگی میں فرمانبرداری اور سعادت مندی اپنی جگہ اہم ہیں مگر ازدواجی رفاقت ذہنی ہم آہنگی کی بھی متقاضی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کئی برس تک نباہ کرنے کے باوجود ذہنی اور جذباتی تضادان کے لیے مشکلات پیدا کرتا رہا۔ یورپ سے واپسی کے بعد یہ اختلافات مزید نمایاں ہوئے اور بالآخر 1911ء میں اقبال نے اندرون موچی دروازہ کے ایک کشمیری خاندان کی خاتون سے نکاح کیا۔ تاہم بعض غلط فہمیوں کی بنا پر وہ اپنی زوجہ کو گھر نہ لا سکے اور اگلے ہی برس تیسرا نکاح کیا۔ اس مرتبہ لاسکے بی بی شرف النساء سے شادی ہوئی جو لدھیانہ کے معروف نولکھے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ بعدازاں 1913ء میں پہلی منکو کو بھی مفاہمت کے بعد گھر لے آئے۔ اپنے ایک خط میں اقبال نے اس بات کا اظہار کیا کہ جس عورت نے غیر معمولی ثابت قدمی کے ساتھ تین برس ان کے لیے مصائب برداشت کیے، اسے گھر نہ لانا نہایت ناانصافی ہوگی رگی۔ اس کے بعد اقبال کی گھریلو زندگی میں سکون پیدا ہوگیا اوران کی بیشتر پریشانیاں کم ہوگئیں۔

یورپ سے واپسی کے بعد اقبال محض علمی ڈگریوں کے حامل نہ تھے بلکہ ان کے دل میں اسلام کی خدمت کا جذبہ اور قوم کی بیداری کا ولولہ بھی موجزن تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اب ان کی تمام تر توجہ ملت اسلامیہ کی اصلاح اور احیائے قوم کی جدوجہد پر مرکوز ہوگئی۔ اسی زمانے میں جب بلقان میں ترکوں کے خلاف جنگ چھڑ گئی اور اٹلی نے طرابلس پر قبضہ کرلیا تو اقبال کے دل کو سخت صدمہ پہنچا، کیوں کہ ترک اس وقت خلافت اسلامیہ کے علم بردار تھے۔ انہی دنوں انہوں نے اپنی شہرہ آفاق نظم ''شکوہ'' لکھی اور ''طرابلس کے شہیدوں'' کے عنوان سے بھی ایک لازوال مرثیہ کہا۔ یہ وہ دور تھا جب بیرسٹر بن کر آنے والوں کی تعداد کم تھی اور اقبال چاہتے تو بے پناہ دولت کما سکتے تھے، مگر انہوں نے اسے ثانوی حیثیت دی اور اپنی زندگی کا

مقصد قوم کی اصلاح اور اسلام کی خدمت کو بنایا۔

1914ء میں جب پہلی جنگ عظیم کا آغاز ہوا تو اقبال اپنی شہرہ آفاق مثنوی ''اسرار خودی'' کی تکمیل میں مصروف تھے۔ یہ کتاب 1915ء میں شائع ہوئی اور ملت اسلامیہ کے فکر و شعور میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ تین برس بعد، 1918ء میں ''رموز بے خودی'' منظر عام پر آئی۔ یہ دونوں تصانیف دراصل اسلامی افکار کی نشاد ثمانیہ کا استعارہ ثابت ہوئیں۔ انہی دنوں اقبال کی والدہ کا انتقال ہوا۔ اس صدمے نے اقبال کو سخت متاثر کیا اور انہوں نے اپنی والدہ کی یاد میں ایک طویل نظم کہی جس میں والہانہ عقیدت اور شدید جذبات کی عکاسی ملتی ہے۔

جنگ عظیم اول کے اختتام پر ہندوستان میں بھی سیاسی اور سماجی حالات شدید متاثر ہوئے۔ انگریز حکومت کا رویہ سخت تر ہو گیا اور تحریک آزادی نے زور پکڑا۔ اپریل 1919ء میں جلیانوالہ باغ کا المیہ رونما ہوا، جب جنرل ڈائر نے سینکڑوں بے گناہ ہندوستانیوں کو اندھا دھند گولیوں سے بھون ڈالا۔ ان حالات میں کانگریس، م مسلم لیگ، خلافت کمیٹی اور جمعیت العلماء نے متحد ہو کر ترک موالات اور تحریک خلافت کی بنیاد رکھی۔ اسی دور میں اقبال کی شاعری میں بھی ایک نیا ولولہ دکھائی دیتا ہے۔ انجمن حمایت اسلام کے سالانہ اجلاس 1922ء میں انہوں نے ''خضر راہ'' جیسی نظم پیش کی اور اگلے برس 1923ء میں ان کی نظم ''طلوع اسلام'' نے برصغیر میں ایک نیا جوش پیدا کیا۔ اسی برس برطانوی حکومت نے علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں انہیں ''سر'' کا خطاب عطا کیا، اگرچہ بعض حلقوں نے اس پر تنقید بھی کی اور کہا کہ شاید اقبال اب آزادی اظہار سے گریز کریں، لیکن اقبال نے اپنے عمل سے یہ خدشہ بے بنیاد ثابت کر دیا۔

1924ء میں ان کا پہلا اردو مجموعہ کلام ''بانگ درا'' شائع ہوا، جس نے انہیں برصغیر کے صف اول کے شعر میں لا کھڑا کیا۔ اسی برس کے اختتام پر ان کے صا ادے جاوید اقبال پیدا ہوئے جن کے نام پر بعد میں ''جاوید نامہ'' جیسی عظیم تصنیف وجود میں آئی۔ 1928ء میں علامہ اقبال ایک خصوصی دعوت پر مدراس گئے جہاں انھوں نے اپنے چھ نہایت اہم اور علمی خطبات پیش کیے۔ یہ خطبات بعدازاں اردو میں ترجمہ ہو کر ''تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ'' کے عنوان سے شائع ہوئے۔ یہ وہ دور تھا جب اقبال سیاسی میدان میں قدم رکھنے کو تھے۔ اگرچہ ابتدا میں وہ نووارد سمجھے جاتے تھے، تاہم تھوڑے ہی عرصے میں اپنی غیر معمولی قابلیت، انتھک محنت اور بلند فکر کے باعث ایسا وقار حاصل کیا کہ 1930ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس الہ آباد کے صدر منتخب ہوئے اور وہاں اپنا مشہور خطبہ الہ آباد پیش کیا۔ اسی خطبے میں پہلی مرتبہ ایک علیحدہ وطن، یعنی پاکستان کے قیام کا واضح تصور سامنے آیا۔ اس کے فوراً بعد ہی ہندوستان کے آئینی ڈھانچے کی تشکیل کے لیے لندن میں گول میز کانفرنس منعقد ہوئی جس میں اقبال کو بھی نمائندہ ہند کی حیثیت سے شریک کیا گیا۔ اس کانفرنس کے اختتام پر اقبال کو فرانس کے معروف فلسفی پروفیسر برگساں سے ملاقات کا موقع ملا۔ اقبال ان کے نظریہ ''واقعیت زمان کو اسلامی فکر سے قریب تر سمجھتے تھے۔ ملاقات کے دوران دونوں کے درمیان طویل مباحث ہوئے اور برگساں اقبال کی شخصیت اور افکار سے بے حد متاثر ہوا۔

1932ء میں اقبال نے دوبارہ تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن کا سفر کیا۔ اس موقع پر انھوں نے ''ارسٹوٹیلین سوسائٹی لندن میں ایک اہم خطاب کیا جس کا موضوع تھا: ''کیا مذہب کا امکان ہے؟''۔ یہ خطاب دراصل''

تشکیل جدید الہیات اسلامیہ کا ساتواں خطبہ شمار ہوتا ہے۔

اقبال کے بین الاقوامی روابط

ان کانفرنسوں کے دوران اقبال کی ملاقات کئی اہم شخصیات سے ہوئی۔ انھی میں ایک ملاقات روم میں مسولینی سے بھی تھی۔ اقبال جہاں مسولینی کی جاذب نظر شخصیت، شان و شوکت اور مہمان نوازی سے متاثر ہوئے، وہیں مسولینی بھی اقبال کی انقلابی فکر اور بصیرت سے بے حد متاثر ہوا۔ اسی اثر کا نتیجہ تھا کہ اقبال نے اس پر ایک نظم ''مسولینی'' کے عنوان سے لکھی۔ اقبال کو روم کے عظیم علمی ادارے اکادمی'' میں بھی خطاب کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ اس سفر کے دوران انھوں نے اسپین کا بھی دورہ کیا۔ جب انھوں نے وہاں مسلم تہذیب و تمدن کی باقیات اور عظمت رفتہ کے آثار دیکھے تو ان کے دل پر گہرا اثر ہوا۔ یہ تاثر اس قدر شدید تھا کہ قیام ہسپانیہ کے دوران انھوں نے کئی نظمیں لکھیں۔ ان میں سب سے زیادہ شہرت پانے والی نظم ''مسجد قرطبہ ہے، جو اقبال کی شاعری کا سنگ میل سمجھی جاتی ہے۔

سفر افغانستان

1933ء میں اقبال نے افغانستان کے فرمانروا نادر شاہ کی دعوت پر وہاں کا سفر کیا۔ اس سفر میں سر راس مسعود اور سید سلیمان ندوی بھی ان کے ہمراہ تھے۔ مقصد افغانستان کے تعلیمی مسائل پر مشاورت اور راہنمائی فراہم کرنا تھا۔ اقبال نے نادر شاہ سے اہم ملاقات کی جسے بعد میں اپنی مثنوی ''مسافر'' میں نہایت خوبصورت انداز سے بیان کیا۔ اس سفر کے دوران انھیں حکیم سنائی اور سلطان محمود غزنوی جیسے نامور بزرگوں کے مزارات پر حاضری کا شرف بھی حاصل ہوا۔

آخری ایام اور علالت

افغانستان سے واپسی کے بعد اقبال کی طبیعت دن بہ دن خراب رہنے لگی اور اسی سبب وہ عملی سیاست سے کنارہ کش ہو گئے۔ تاہم پنجاب میں مسلم لیگ کے ساتھ کسی نہ کسی حد تک ان کا تعلق برقرار رہا۔ 1934ء میں اچانک ان کے گلے کی تکلیف نے شدت اختیار کی جس کے باعث آواز بیٹھ گئی۔ مشہور طبیب حافظ عبد الوہاب نے انھیں وقتی افاقہ تو پہنچایا، لیکن مرض نے جلد ہی سنگین صورت اختیار کر لی۔ انہی دنوں نواب بھوپال نے اقبال کے لیے پانچ سو روپے ماہانہ وظیفہ مقرر کیا جو ان کی زندگی کے آخری لمحے تک جاری رہا۔ 1937ء کے آخری مہینوں میں اقبال کی بیماری بہت بڑھ گئی اور وہ سخت اذیت میں مبتلا ہو گئے۔ بالآخر 21 اپریل 1938ء کو لاہور کے جاوید منزل میں یہ مرد مومن داعی حق ہمیشہ کے لیے اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ آپ کو لاہور کی بادشاہی مسجد کے صحن میں، سیڑھیوں کے بائیں جانب سپرد خاک کیا گیا۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

شخصیت و افکار

اقبال کی شخصیت نہایت ہمہ جہت تھی۔ ان کی طبیعت میں تنوع اور وسعت اس قدر تھی کہ شاذ و نادر ہی کسی ایک فرد میں یہ تمام اوصاف یکجا ہوتے ہیں۔ جمال پرست اور عشق پرور دل نے تخیل کی رعنائیوں سے ایک نئی دنیا آباد کی تھی۔ اس دنیا کی تصویروں پر جب انسانی نگاہ پڑتی ہے تو مسحور ہوئے بغیر نہیں رہتی۔

ان کی فکری ساخت میں اصلاح حیات کی روح، صداقت پسندی اور نظم و ضبط نمایاں تھے۔ اقبال شاعر بھی تھے اور حکیم وقت بھی؛ نکتہ داں بھی اور صاحب درد بھی۔ ان کی شاعری میں سوز و گداز بھی ہے، رندی و مستی کا رنگ بھی نصیحت آموز پہلو بھی اور دین و تمدن کی تعلیم بھی۔ ان کے افکار میں

عقل و عشق کی دائمی کشمکش کا تذکرہ بھی ملتا ہے اور حسن کی جلوہ گریوں کی دلکش تصویریں بھی۔ اقبال کے نزدیک توحید سب سے بنیادی عقیدہ تھا۔ وہ قرآن مجید کو فکر و عقیدہ کا واحد اور اعلیٰ معیار سمجھتے تھے۔ خود فرمایا: ''میں اعتقادی امور میں صرف قرآن پر انحصار رکھتا ہوں۔''

اقبال کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہا درجے کا عشق تھا۔ ذکر نبوی پر ان کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں۔ عبادات اور اعمال کے حوالے سے وہ تضاد آمیز مگر بے ریائی طبیعت کے مالک تھے۔ خود اعتراف کرتے ہیں کہ ''میرے لیے ریاکاری ممکن نہیں۔ کبھی کوشش بھی کی تو کامیاب نہ ہوا، اس لیے میں نے ریا کو ترک کر دیا۔''

اسی سبب وہ بناوٹی زہد و تقویٰ سے اجتناب کرتے اور بعض اوقات بے تکلف انداز میں رندانہ گفتگو بھی کر جاتے۔ اقبال تصوف کے بعض پہلوؤں پر تنقید کرتے تھے، کیونکہ وہ قرآن مجید کی اصل تعلیمات کو باطل تاویلات سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ ان کے نزدیک رہبانیت اسلام سے بیگانگی کے مترادف تھی۔

یوں کہا جا سکتا ہے کہ اقبال تمام اسلامی عقائد کے پابند تھے اور ان کی فکر خالصتاً ملی تھی۔ وہ دنیا کو عمل اور جہدِ مسلسل کی دعوت دیتے تھے۔ جیسا کہ انھوں نے کہا

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم
یہ خاک اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری

یہی علامہ اقبال کی ہمہ گیر شخصیت، ان کی فکری بلندی اور عملی جدوجہد کا خلاصہ ہے، جو انھیں نہ صرف برصغیر بلکہ پوری اسلامی دنیا میں ایک منفرد مقام عطا کرتا ہے۔

☆☆☆

افروزہ نور۔ لکھنؤ

غزل

ہجر اثاثہ رہ جاتا ہے
ہاتھ میں کاسہ رہ جاتا ہے

جب امید نہ باقی ہوتو
صرف دلاسہ رہ جاتا ہے

زخم بہت سے مل جاتے ہیں
وقت زاد سا رہ جاتا ہے

دل سے درد نکل کر بھی تو
اچھا خاصا رہ جاتا ہے

موجیں جب بھی چھو کر گزاریں
ساحل پیاسا رہ جاتا ہے

ایک شناسائی کی دھن میں
دکھ ہی شناسا رہ جاتا ہے

وقت بھلا دیتا ہے سب کچھ
صرف خاصہ رہ جاتا ہے

صحافی محمد نصر اللہ خان۔حیدرآباد

آہ! جناب ظہیر الدین علی خان

سماج و معاشرہ کا ایک چمکتا ستارہ

’’یاد کرتی بس انھیں یہ زندگی رہ جائے گی‘‘

ممتاز صحافی و جہد کار جناب ظہیر الدین علی خان مینجنگ ایڈیٹر روزنامہ سیاست سے میری شناسائی گزشتہ 25 برس قبل سے زائد کی ہے ان دنوں میں شہر کی قدیم خبر رساں نیوز سرویس ’’دکن نیوز‘‘ سے وابستہ تھا اس لحاظ سے روزانہ میرا اخبارات کے دفتر آنا جانا ہوتا جب بھی سیاست دفتر پہنچتا تو ایک دراز قد (ان دنوں چہرے پر داڑھی نہیں تھی) جناب زاہد علی خان اور جناب عامر علی خان سے ملنے جو مہمان دفتر آتے ان سے ملاقات کرتے ہوئے سیاست کے ذریعہ کیے جانے والی کام سے واقف کرواتے ہوئے دکھائی دیتے۔ دراز قد ہونے کے باعث وہ سب میں نمایاں نظر آتے ہوا یہ کہ یہ شخصیت میری آنکھوں میں بچ گئی ان کے بارے میں معلومات حاصل کرتا تو لوگ کہتے کہ ان سے مل کر رہو یہ سیاست اخبار کے کرتا دھرتا ہے۔ اتفاق یہ کہ جناب ظہیر الدین علی خان نے طے کیا کہ حکومت کی جتنی بھی فلاحی و معاشی اسکیمات اقلیتی مالیاتی کارپوریشن کے ذریعہ انجام دی جاتی ہے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہوئے ایم ڈی کارپوریشن سے ملاقات کی جائے ان دنوں جناب قادر علی خان مینجنگ ڈائرکٹر کارپوریشن (ایم ڈی) کے عہدہ پر فائز تھے۔ اس طرح ایک وفد جناب قادر علی خان کے دفتر بھیجا گیا جس میں راقم الحروف بھی شامل تھا اس وقت جناب قادر علی خان نے وفد کو حکومت نے اقلیتوں کے لیے جو اسکیمات کا اعلان کیا ہے واقف کروایا۔ اسی وقت طے کیا گیا کہ دونوں شہروں کی سماجی و فلاحی تنظیموں کو ساتھ لے کر ان اسکیمات کے ذریعہ معاشی موقف کو مسلم مرد و خواتین اور نوجوانوں میں مضبوط بنانے کے لیے تعاون کیا جائے جس کے لیے دونوں شہروں کی سماجی و فلاحی تنظیموں کے زمہ داروں سے ایک ربط کا پروگرام طے کیا گیا اسی وقت جناب ظہیر الدین علی خان کی تجویز پر میناریٹی ڈیولپمنٹ فورم کے قیام اور اس کے ذریعہ حکومت کی اسکیمات کو شہر و اضلاع کی تنظیموں میں واقف کروایا جائے بلکہ ان اسکیمات کی عمل آوری میں تعاون بھی ہو۔ جناب ظہیر الدین علی خان کی یہ تجویز کارآمد و ثمر آور ثابت ہوئی وہیں دوسری جانب جناب ظہیر صاحب نے سال 1995 میں یہ تجویز پیش کی کہ ان دنوں معاشرہ کے والدین اپنے لڑکوں و لڑکیوں کی شادیوں کی انجام دی اور مناسب رشتوں کے لیے بے چین و پریشان ہیں جس کے لیے وہ مشاطاوں اور ایجنٹس کا سہارا لے کر اپنے لڑکوں و لڑکیوں کے رشتوں کے سلسلہ میں وقت و پیسہ ضائع کر رہے ہیں اس لیے سیاست و ایم ڈی ایف کی جانب سے دو بہ دو ملاقات پروگرام ترتیب دیا گیا جس کا پہلا دو بہ دو ملاقات پروگرام ملک پیٹ میں منعقد ہوا اس کے بعد انوار العلوم کالج طے پلی اور ممتاز کالج ملک پیٹ کے علاوہ شہر کے مختلف محلّہ جات میں یہ پروگرام آج بھی ہو رہے ہیں اس کے ذریعہ بہتر نتائج سامنے آئے دو بہ دو پروگرام میں ہوتا یہ ہے کہ

والدین وسرپرستوں کو ایک پلیٹ فارم پر لڑکے ولڑکی کی تعلیمی قابلیت ایس ایس سی انٹر میڈیٹ گریجویشن پوسٹ گریجویشن ایم بی بی ایس ٹکنیکل غرض کہ تعلیمی یافتہ لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے رشتے فوٹوز اور بایوڈاٹا کی مدد سے والدین کی سہولت کے لیے مہیا کیے جاتے ہیں تا کہ وہ اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کا انتخاب کرلیں۔ جناب زاہد علی خان ایڈیٹر سیاست اور جناب ظہیر الدین علی خان کی یہ مساعی کام آئی آج یہ پروگرام شہر حیدرآباد ہی نہیں بلکہ اضلاع کے علاوہ ملک اور بیرونی ممالک میں کامیابی کے ساتھ اپنے قدم جما چکا ہے۔

اس طرح جناب ظہیر الدین علی خان کی یہ کوشش کہ سیاست وملت فنڈ کے ذریعہ ایسے طلباء و طالبات جن کی صیح تعلیمی رہبری ورہنمائی نہ ہونے کی وجہ سے مختلف کورسس میں داخلوں کے لیے بڑے بے چین و پریشان ہیں انھیں سیاست کا یہ پلیٹ فارم کالجس ویونیورسٹیوں میں کورسس کی فراہمی اور اس میں داخلوں کے لیے کس طرح اپنے آپ کو قابل و اہل بنایا جائے روزانہ طلباء و طالبات کی کونسلنگ سیاست کے دفتر میں رکھتے ہوئے ماہر تعلیم دانشوراں اے ایس وآئی پی ایس اور دوسرے سرکاری محکمہ جات میں ملازمت کے لیے کیسے اپنے آپ کو تیار کیا جاے اس کے تربیتی کلاسس کا نظم ہر اتوار کیا گیا جو ثمر آور ثابت ہوا کہ طلباء ونوجوان مختلف کورسس اور مسابقتی امتحان میں کس طرح اپنے آپ کو اہل بنائیں۔ جناب ظہیر الدین علی خان نے یہ بھی سوچا کہ ایسے طلباء و طالبات جو بی یو ایم ایس یونانی مڈیسن میں داخلہ لینے کے خواہاں ہیں ان کے لیں ے انھوں نے کوشش کی کہ جہاں جہاں یونانی مڈیسن کے کالجس ہیں اور طلباء داخلہ لینا چاہ رہے ہیں ان کے لیے وہاں داخلے دلوانے کے لیے رہبری ورہنمائی کی گئی اس کے علاوہ غریب طلباء وطالبات جو تعلیمی میدان میں ہوشیار و ذہین ہیں جو اپنے ہاں اعلی نمبرات رکھتے ہیں مگر والدین کے ہاں ان طلباء کو آعلی تعلیم دلوانے کے لیے صیح رہبری ورہنمائی اور رقم نہ ہونے کی وجہ سے آعلی تعلیم سے محروم ہیں جن کی ہر طرح سے مدد کرنے میں انھوں نے اپنا بھر پور تعاون پیش کیا اگر شہر کے سماجی و تعلیمی تنظیموں کی جانب سے جب بھی ان طلباء کی مدد کی جاتی تو خوشنودی کا اظہار کیا کرتے اور خود سیاست کی جانب سے اسکالرشپ مہیا کرواتے اس لیے دیکھا گیا کہ وہ اپنے دفتر میں ہفتہ میں ایک روز طلباء اور ان کے والدین سے ملاقات کیا کرتے جو اسکالرشپ کے مستحق ہیں غرض کہ مسلمانوں کی تعلیمی معاشی سماجی ہیاں تک کہ سیاسی موقف کو مشحکم کرنے کے لیے جناب ظہیر الدین علی خان کی مساعی کو یاد کیا جاتا رہے گا یہ بات بھی ہیاں بیان کرتا چلوں کہ معاشرہ وسماج میں ایسے طلباء وطالبات جو قدرتی طور کمزور یعنی گونگھے بہرے اور نابینا ہیں ان کو اپنے سے قریب کرنے کے ساتھ ان میں کام کرنے والی سماجی وفلاحی تنظیموں سے اپنے تعلقات کو بنائے رکھنے میں انھوں نے کوئی کسر باقی نہ رکھا بلکہ ان کی ہر طرح سے مدد کی چنانچہ حیدرآباد میں موجود ادارہ آئی آئی سی ڈی سے انھوں نے ربط پیدا کیا اور ان کی ہر طرح سے مدد کی انتظامیہ نے جناب ظہیر الدین علی خان سے اس بات کی مانگ کی کی ان معزور طلباء و طالبات کے لیے کمپیوٹرس کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے اور نابینا و معزور طلباء کمپیوٹر کورسس کے سیکھنے میں دلچسپی دکھلا رہے ہیں ان کے لیے فوری سیاست کی جانب سے کمپیوٹرس کی فراہمی میں تعاون کیا۔۔۔ آئی آئی سی ڈی کی جانب سے ہر سال رمضان میں افطار کا نظم کیا جاتا جس پر جناب ظہیر الدین علی خان ان کی رعوت افطار میں پہنچتے اور ان معزور طلباء ونوجوانوں کے ساتھ افطار کرتے ہوے ہمدردی ملنساری وانکساری کا اظہار کرتے دیکھے جاتے۔

اس طرح جناب ظہیر الدین علی خان نے ملت کی نئی نسل اور ملت کے طلباء ونوجوانوں مرد وخواتین یہاں تک کہ لڑکیوں کو آعلی تعلیم وروزگار سے جوڑنے کے ساتھ مسلم معاشرے اور سماج میں بڑا مقام پیدا کروانے کی جو بھرپور کوشش کی اس میں رب کی

طرف سے قدم قدم پر انھیں کامیابی اور رب کی عنایات ملی۔ یہ صلہ انھیں خدمت خلق کے ذریعہ حاصل ہوا ان میں سے کسی قسم کا خوف نہیں تھا رب سے اپنے رشتے کو مضبوطی سے جوڑ رکھا یہی وجہ ہے کہ کوئی مدد کے لیے پہنچتا تو اس کی مدد کیا کرتے۔

سیاست اخبار کے ذریعہ ان کے اردو زبان کو پروان چڑھانے کے جذبہ کو یاد کیا جاتا رہے گا جس کے لیے اردو دانی زبان دانی کا قیام اور اس کے کلاسس ان کا کارنامہ ہے جس کے ذریعہ مسلم طلباء ہی نہیں غیر مسلم طلباء و طالبات کی بڑی تعداد استفادہ حاصل کی۔ اردو زبان کے فروغ کے لیے اخبار سیاست سے جتنی کوشش کرنا ہے انھوں نے کی جسے یاد رکھا جائے گا۔ جس کے لیے سیاست کے محبوب حسین جگر ہال میں مشاعرے منعقد کرواتے جس میں مزاحیہ مشاعرہ بھی ان کی دلچسپی کا ذریعہ تھے۔ جناب ظہیر الدین علی خان نے حیدرآباد آج اور کل کے موضوع پر یہاں مقامی سینیر سماجی تعلیمی ادبی و دیگر میدانوں میں خدمت انجام دی جنھوں نے پولیس ایکشن کی ظلم و زیادتیاں دیکھی ہیں ان سے انٹرویوز کروائے جس میں جناب اصغر نے اپنے قلم کا جادو چلایا اور کچھ شخصیات اورنگ آباد میں بھی مقیم ہیں وہاں پہنچ کر ان سے انٹرویوز لیا گیا۔ اورنگ آباد کے اس سفر میں ہمیں داعی اسلام مولانا سید ابواعلی مودودیؒ کی یاد آ گئی جس کے لیے وفد میں موجود جناب عابد صدیقی نیوز ایڈیٹر دوردرشن راقم الحروف محمد نصراللہ خان جناب محمد نظام الدین لیق فوٹو گرافر کے ساتھ ہم مولانا مودودیؒ کے مکان منظور پورہ پہنچے ان کے مکان کو دیکھا تو مولانا کی حیات کے متعلق جو کتابوں میں پڑھا وہ یاد آ گیا دعا کی گئی کی اسی اورنگ آباد میں تولد ہو کر اور بچپن و جوانی کا کچھ حصہ گزار کر حیدرآباد منتقل ہوئے اور یہاں دین کی اقامت کا کام انجام دیا۔

اس طرح جناب ظہیر الدین علی خان نے ملت اور اس کی نئی نسل مرد و خواتین طلباء اس پر اکر لڑکیوں کو اونچا اٹھانے کے لیے معاشرہ میں آعلی و عرفہ مقام دلوانے کے لیے کی ہر طرح سے کوشش کی یہاں تک کہ ان نوجوانوں کو ملکی اور عالمی مسایل سے واقفیت کے لیے وہ لکچرز بھی رکھاے۔ عابد علی خان ایجوکشنل ٹرسٹ کے ذریعہ اردو زبان کی ترقی و ترویج کے لیے نئی نسل میں اردو دانی زبان دانی کے امتحانات کے ذریعہ کئی لاکھ طلباء و طالبات مرد و خواتین اور بچوں کو ہم آہنگ کیا جس میں غیر مسلم بھی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ذہین بچوں کی مزید تربیت کرتے ہوے ملٹی نیشنل کمپنیوں میں ملازمتیں دلوایں اس کے ساتھ مسلم نوجوانوں کو پولیس میں بھرتی اور ان کی تربیت کے سلسلہ میں جناب زاہد علی خان ایڈیٹر سیاست کی نگرانی میں جسمانی تربیت اور ضروری امور کروائے۔ سرکاری ٹیچرس کی جائدادوں پر تقرر کے لیے امتحان کی تیاری کا اہتمام کیا۔ ٹیچرس ٹریننگ کے لیے کئی ہزار لڑکے و لڑکیوں کو سرکاری ملازمت حاصل ہوئی اور مسلم طلباء و طالبات کو ایم بی بی ایس میں داخلوں کی تربیت کا سیاست نے اہتمام کیا جس کے لیے سینکڑوں طلباء و طالبات کو ایم بی بی ایس اور انجنیرینگ میں نشستیں ملیں۔ سیاست کے دفتر میں انہوں نے یہ بھی کام کیا طلباء و طالبات جو ایس ایس سی اور انٹرمیڈیٹ تک تعلیم حاصل کر لیتے مگر ان کو آگے کس طرح تعلیم حاصل کرنی ہوگی اس کے معلومات نہیں رہتے جس کے لے سیاست میں ایک سنٹر قائم کیا گیا جہاں پہنچ کر معلومات حاصل کرتے ہوے آج بھی دیکھے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے غریب افراد کی صحت کے لیے میڈیکل کیمپس بھی منعقد کیے جس ماہر ڈاکٹرس نے اپنی خدمات دی۔ غریب طلباء و طلبات کے لیے اسکالرشپس کا اہتمام کیا۔ ان کے ملی و سماجی کاموں میں خطاطی کا بھی فروغ تھا جو کوء خطاط ان کے ہاں پہنچتا تو اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوے سراہنا کرتے جس کے جہاں جہاں خواتین کے سنٹرس شہر میں ہیں وہاں انھوں نے خطاط کے اس ہنر کو رکھنے اور سیکھنے پر زور دیا اور دیے گئے۔ ان کی اس سماجی و فلاح کانوں میں فیض عام ٹرسٹ کا بھی تعاون شامل رہا۔ ان دونوں کے تعاون سے

غریبوں میں کپڑوں کی تقسیم کا کام کپٹا بینک کے ذریعہ کیا گیا۔اس طرح مسلم لاوارث میتوں کوان کیے ورثاء تک پہنچانا اوران کی نماز جنازہ وتدفین کی انجام دہی ان کا اہم کردار رہا ہے۔اس کے علاوہ ملک میں مسلمانوں پر حملےان کی جان ومال واملاک کونقصان پہنچایا گیا ہواس وقت جناب ظہیرالدین علی خان صرف ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ ان فسادزدہ علاقہ کا اپنی ٹیم کے ساتھ دورہ کرتے ہوئے وہاں کی صحیح وکمل صورتحال سے واقفیت حاصل کرتے ہوئے ریلیف کے کام کا آغاز کیا کرتے چنانچہ انھوں نے گجرات کے نسل کش فسادات ہوں یا ممبئی کے فسادات یا خودشہر حیدرآباد میں ہوئے فسادات میں مسلمانوں کوشدید نقصان کا سامنا کرنا پڑاایسے میں سیاست اورملت فنڈ کی جانب سے ان کی مدد کی گئی۔نئی نسل میں عالمی سیاسی شعور کو بیدار کرنے کے لیےان کی کوشش جورہی وہ برسوں یادرہے گی۔قبلہ اول مسجد اقصی کا ہو یا فلسطین میں اسرائیلی جارحیت ہو یااندرون ملک بابری مسجد یکساں سول کوڈ نان ونفقہ طلاق ثلاثہ اور دوسرے مسائل ان تمام ان کی بھرپور نمایندگی اپنی ذات اوراخبار سیاست کے ذریعہ کی جس میں انھیں کامیابی حاصل ہوئی۔جب ان کے انتقال کی اطلاع عام ہوئی تو دیکھا گیا کہ بلالحاظ مذہب وملت مردوخواتین کی آنکھ میں آنسو تھے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جناب ظہیرالدین علی خان نے ملی تعلیمی وسماجی اور فلاح خدمات ملت اسلامیہ کے حق میں دن و رات سیاسی طور پر بھی دی ہے مالک اسے قبول فرما اورانھیں جنت الفردوس میں آعلی مقام عطا کر۔۔۔جناب ظہیرالدین علی خان جیسی شخصت کونظر میں رکھتے ہوے ممتاز شاعر جناب حلیم بابر نے کہا کہ۔۔۔۔۔

میری الفت میں اگر ان کی کمی رہ جاے گی
یاد کرتی بس انھیں یہ زندگی رہ جاے گی

☆☆☆

ڈاکٹر قمر صدیقی۔ممبئی

غزل

صبح سورج کی کرن یوں پڑ رہی ہے
جیسے قدرت ہیرے موتی جڑ رہی ہے

ٹیس سی کیوں اٹھتی ہے سینے میں اکثر
کیا کسی کی یاد دل میں گڑ رہی ہے

ڈھہ نہ جائے دیکھئے دیوارِ جاں اب
دھیرے دھیرے اس کی مٹی جھڑ رہی ہے

کیوں تعفن چار سو پھیلا ہوا ہے
کیا کوئی نفرت دلوں میں سڑ رہی ہے

آرزو، امید، خواہش اور ضرورت
زندگی کیا کیا بہانے گھڑ رہی ہے

ہے عجب منطق عجب انداز اس کا
امن کی خاطر یہ دنیا لڑ رہی ہے

کیا غلط فہمی قمر باقی تھی کوئی
درمیاں رشتوں کے اب جو اَڑ رہی ہے

سیدہ تبسم۔ ناڈکر، ممبئی

افسانہ

آخری صدا (افسانہ)

بارش تھم چکی تھی۔۔۔۔۔ مگر آسمان پر بادل ابھی تک یوں سجے تھے جیسے کسی نے روتے روتے تھک کر اپنی آنکھیں بند کر لی ہوں۔ پرانی کوٹھری کی دیواریں بارش سے بھیگی ہوئی تھیں۔۔۔۔ اور کھڑکی کے شیشے پر وقت نے اپنی دھند چھوڑ دی تھی۔

دانش ایک پروفیسر تھا۔ ادب کا عاشق، فلسفے کا قائل اور زندگی کا نقاد۔ اس کے دل میں عمر کے حساب سے کہیں زیادہ موسم گزر چکے تھے۔ وہ لائبریری میں بیٹھا ہوا تھا، تنہائی کا عادی، کتابوں میں پناہ لیتا ہوا۔

بارش ہو رہی تھی۔ باہر کی سردی کی ٹھنڈ اندر تک گھس رہی تھی مگر وہ بے نیازی سے فیض احمد فیض کا مجموعہ کھولے اس میں گم تھا۔

اُس وقت اُسے نے دیکھا۔

ایک لڑکی، گیلے کپڑے۔۔۔ بھیگے ہوئے بال، ہاتھ میں پرانی ڈائری۔

اس نے دانش کے قریب آ کر آہستگی سے پوچھا،

''معاف کیجئے جناب! کیا آپ کے پاس ''یادوں کی راتیں'' ہے؟

دانش نے بغیر دیکھے کہا، ''میرے دل میں ہے، شیلف میں شاید نہیں۔''

لڑکی نے چونک کر اسے دیکھا اور بولی،

''اوہ! تو پھر دل ہی سے سنا دیجیے۔''

بس، وہیں سے ایک رشتہ جڑ گیا۔۔۔۔ لفظوں کا، خاموشیوں کا۔۔۔۔۔ دوستی کا۔۔۔۔۔

عرشی ایک افسانہ نگار اور مصورہ تھی۔ خاموش طبیعت، گہری سوچ رکھنے والی، رنگوں سے کھیلنے والی لیکن رنگوں سے زیادہ اسے سناٹوں سے محبت تھی۔

دانش شاعر تو نہیں تھا مگر ہر بات اُس کے ہونٹوں سے شعر بن کر نکلتی تھی۔

وہ دونوں گھنٹوں بیٹھتے، ایک دوسرے کو کم کم دیکھتے، مگر بہت کچھ محسوس کرتے۔۔۔۔۔ آہستہ آہستہ ان کی محبت پروان چڑھنے لگی۔

دانش نے ایک روز کہا، ''عرشی! کچھ رشتے لفظوں سے آزاد ہوتے ہیں۔''

وہ ہولے سے مسکرائی اور بولی، ''ہاں، اور کچھ صدا بننے سے پہلے ہی ختم ہو جاتے ہیں۔''

ہمیشہ ان کی ملاقاتیں لائبریری میں ہی ہوتی۔ کبھی خوب بات ہوتی تو خاموشی۔۔۔۔۔ کبھی کبھی عرشی دانش کے لئے گھر سے کھانے کو کچھ بنا لاتی۔۔۔۔۔ ایک شام دونوں لائبریری میں بیٹھے تھے۔۔۔۔۔

عرشی کے چہرے پر ایک عجیب خاموشی تھی۔

وہ ایک خاکہ بنا رہی تھی۔۔۔ دانش کا۔

لیکن اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

دانش نے پوچھا، ''کیا ہوا؟''

عرشی نے صرف اتنا کہا، ''تم مکمل ہو گئے ہو دانش!
اور میں۔۔۔۔ادھوری رہ گئی ہوں۔''

دانش نے حیرانی سے پوچھا،

''تو کیا ادھورے کو مکمل ہونے سے ڈر لگتا ہے؟''

عرشی کی آنکھوں میں آنسو آئے، اور وہ بولی،

''محبت جب مکمل ہو جاتی ہے۔۔۔۔تو ختم ہو جاتی ہے۔۔۔میں چاہتی ہوں، ہماری محبت مکمل نہ ہو۔''

اور وہ چلی گئی۔

نہ پیغام، نہ شکوہ، نہ شکایت۔

صرف ایک ادھورا خاکہ اور بہت سی یادیں چھوڑ گئی۔ پھر کبھی وہ واپس نہیں آئی۔

دانش بالکل بدل گیا تھا۔ وہ کم گو تو تھا، اب مکمل خاموش ہو چکا تھا۔

دانش کمرے میں خاموش بیٹھا تھا۔۔۔آسمان بھی جیسے ساکت تھا۔۔۔بادل بھی تھک چکے تھے۔۔۔

وہ خالی فریم کو دیکھ رہا تھا۔۔۔جس میں تصویر ہوا کرتی تھی عرشی کی۔۔۔مگر وہ اب نہیں تھی۔۔۔۔۔۔نہ جانے کہاں چلی گئی۔

۔۔۔کیوں۔۔۔کیسے؟

نہیں پتہ، بس چلی گئی۔

سوچوں کا تسلسل ٹوٹ گیا۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔

دانش نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔۔۔

قدم خود بخود اٹھے، مگر دل جیسے اَن دیکھی زنجیروں سے بندھا ہوا تھا۔

دروازہ کھولا۔ کوئی نہ تھا۔

زمین پر رکھا ایک لفافہ پڑا تھا، گلابی رنگ کا، کنارے سے تھوڑا بھیگا ہوا، جیسے بارش کی آخری بوند اس پر گری ہو۔ اس پر دانش کا نام لکھا ہوا تھا۔

اس نے جھک کر لفافہ اٹھایا۔۔۔لرزتے ہاتھوں سے، دھڑکتے دل سے لفافہ کھولا۔۔۔۔اندر عرشی کا خط تھا۔۔۔خوشبو آ رہی تھی۔۔۔وہی ہلکی سی چنبیلی، جو عرشی کے دوپٹے سے آتی تھی۔

کاغذ پر لکھا تھا۔

''دانش!!!

میں مکمل ہو چکی ہوں۔

تمہارے بغیر۔

اب تم بھی ادھورے مت رہنا، تمہیں چھوڑنا میری سب سے بڑی مجبوری تھی۔ محبت کوئی قید نہیں ہوتی۔۔۔وہ ایک احساس ہے۔۔۔ایک روشنی ہے۔۔۔اور یہ روشنی وہی دیکھ سکتا ہے جو اندھیروں سے نہ ڈرے۔

تم نے مجھ سے ہمیشہ سچ پوچھا۔۔۔۔میں خاموش رہی۔۔۔اب میری خاموشی کو پڑھو۔

یہ خط میری آخری صدا ہے۔۔۔۔وہ بھی جو اَن کہی ہے۔۔۔بس محسوس کرو۔

جب کبھی تم ہجر سے نکلنا چاہو،

یاد رکھو، تمہارے لفظوں نے مجھے آزاد کیا ہے۔

اب میری خاموشی تمہیں آزاد کرے گی۔

خدا حافظ

عرشی''

دانش نے خط پڑھا۔

پھر وہ اُٹھا اور اُس پرانے خالی فریم کو دوبارہ دیوار پر لٹکایا۔۔۔۔کمرے میں عجیب سے خاموشی چھا گئی۔۔۔مگر اس خاموشی میں روشنی کی ایک ہلکی سی کرن نظر آئی۔

اب اُس فریم میں تصویر نہ سہی، یاد کی روشنی تھی۔۔۔۔

جیسے عرشی نے صدا دی ہو۔
دانش نے خط بار بار پڑھا۔
ہر لفظ جیسے اس کی رگوں میں کوئی پرانی آہ جگا رہا ہو۔
وہ لفظ جنہیں بہت پہلے سننے کی تمنا تھی، آج خط میں تھے۔
لیکن جس سے وہ کہنا چاہتا تھا، وہ اب کہیں نہیں تھی۔
دل میں ایک خیال آیا۔ ''کاش یہ خط کچھ وقت پہلے آتا۔۔۔۔کاش!''
وہ رات بھر جاگتا رہا۔
صبح کا سورج طلوع ہوا۔۔ایسی صبح جیسے جو ماتم کے بعد خاموشی لے کر آتی ہے۔
دانش نے فیصلہ کیا۔
وہ عرشی کو ڈھونڈے گا۔
کچھ نہ کچھ باقی تھا۔۔۔ شاید وہ شہر۔۔۔۔شاید وہ گلی۔۔۔۔یا شاید وہ پرانی گیلری جہاں وہ اپنے خاکے بیچا کرتی تھی۔
وہ نکلا۔
اسی کوچے میں پہنچا، جہاں عرشی پرانی گیلری میں اپنی پینٹنگ بیچا کرتی تھی۔
اس کے شیڈ کا شٹر بند تھا۔
ساتھ والے چھوٹے سے چائے کے کھوکھے پر بیٹھا ایک بوڑھا بولا۔
''صاحب۔۔۔۔۔آپ عرشی بی بی کو ڈھونڈ رہے ہیں؟''
دانش کے قدم رک گئے۔آنکھوں میں چمک آئی،
''ہاں۔۔۔۔''
بوڑھے نے آہستہ سے کہا، ''صاحب، آپ بہت دیر سے آئیں ہیں۔
عرشی بی بی کا تو انتقال ہوئے۔۔۔۔۔چھ ماہ ہو چکے۔''
وہ زور سے چلّایا، ''کیا۔۔۔۔۔؟''
دانش کو لگا کسی نے دل پر تیر چبھو دیا ہو۔۔۔۔اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔''
''کیا کہا۔۔۔۔۔چھ۔۔۔۔۔ماہ؟''
''ہاں۔۔۔۔۔کینسر تھا نا اُنہیں۔۔۔کسی سے کبھی کچھ نہیں کہا۔ اکیلی تکلیف سہتی رہی اور بس۔۔۔۔۔خاموشی سے چلی بھی گئیں۔
آخری دنوں میں وہ اکثر ایک خط مجھے بتاتی تھیں۔ایک بار کہا بھی کہ،
اگر دانش کبھی واپس آئے۔۔۔۔۔تو دے دینا۔
حالاں کہ کبھی مجھے وہ خط دیا نہیں۔
لیکن۔۔۔۔۔آج تک کوئی دانش بھی نہ آیا۔۔۔۔آج آپ آئے ہو۔۔۔۔''
کون ہیں آپ؟
دانش خاموش ہو گیا۔
دل کے اندر ایک سناٹا ابھرا، جس کی کوئی صدا نہ تھی۔
وہ جو لفافہ کل ملا تھا۔۔۔۔۔
وہ عرشی نے چھ ماہ پہلے لکھا تھا۔
اب ایک سوال باقی تھا۔
کل وہ لفافہ دروازے پر کس نے رکھا؟
دانش نے وہی لفافہ دوبارہ نکالا۔
ایک بار پھر پڑھا۔۔۔۔۔
اس بار اُس کی نظر کاغذ کے نیچے ایک باریک سی تحریر پر پڑی، جو پہلے نظر نہ آئی تھی۔
کسی اور کی تحریر لگتی تھی، شاید اس کھوکھے والے کی یا کسی انجان خاموش مددگار کی۔
''کوئی صدا آخری نہیں ہوتی دانش صاحب۔۔۔بس کبھی کبھی کوئی صدا خود آ کر اپنا وجود منوا لیتی ہے۔اپنا وجود ظاہر کر دیتی ہے۔''

شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ، حیدرآباد

SHIBLI INTERNATIONAL

EDUCATIONAL & CHARITABLE TRUST

SIECT

Regd. No. 180/2016

مدرسہ ومسجد کے تعاون کی اپیل

حدیث نبوی ﷺ ہے خَیرُکُم مَن تَعَلَّم القُرآن وَعَلَّمَہ ۔تم میں بہترین انسان وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔اس حدیث سے علم اور قرآن علم کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔اسی علم کی نشرواشاعت کے لئے **مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم** ۱۵؍جنوری ۲۰۱۷ءکو قائم کیا گیا تا کہ امت مسلمہ کے نونہالان زیور علم سے آراستہ ہوں اور ملک وملت کی خدمت میں وقف ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔آمین یارب العٰلمین۔

مدرسہ ہذا کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے۔جملہ اخراجات کی ادائیگی اہل خیر حضرات کے تعاون سے ہوتی ہے۔

الحمدللہ مدرسہ میں تعمیری کام بھی جاری ہے،اس وجہ سے اہل خیر حضرات سے گذارش ہے کہ مدرسہ کا نقد یا اشیاء کے ذریعہ تعاون فرما کر یا کسی طالب علم کی کفالت لیکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔نوازش ہوگی۔

مسجدِ الٰہی

زیرانتظام شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ حیدرآباد کا تعمیری کام جاری ہے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ ایک مخیّرہ خاتون نے 126 گز اراضی ٹرسٹ ہذا کو مسجد کے لئے وقف کیا ہے، اللہ تعالیٰ مخیّرہ کو دونوں جہاں میں بہترین بدلہ دے، آمین۔ مسجدِ الٰہی کی زمین مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم وادیٔ عمر شاہین نگر حیدرآباد کا (اقامتی وغیر اقامتی) ادارہ ہے، جو شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ کے زیرانتظام 2017 سے خدمات انجام دے رہا ہے، بالکل اسی سے متصل ہے۔مدرسہ ہذا اور بستی کے لئے مسجد ناگزیر ہے، اس وجہ سے آپ تمام حضرات سے گزارش کی جاتی ہے کہ مسجد ہذا کے تعمیری کام میں نقد یا اشیاء کے ذریعہ معائنہ کر کے حصہ لے کر ثوابِ دارین حاصل کریں۔

جزاک اللہ خیرًا أحسن الجزاء.

Bank Name : IDBI **A/c Number** : 1327104000065876

A/c Name : SHIBLI INTERNATIONAL EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST

IFSC Code : IBKL0001327. Branch: Charminar

G Pay & Phone Pay : 8317692718, WhatsApp: 9392533661

العارض: حافظ وقاری مفتی ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی خطیب مسجد عالیہ، بانی وناظم مدرسہ ہٰذا چیرمین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد

NEW GAZALA SAREES

All kinds of Wedding Sarees, Suits & Sharara

Cell: +91 9700242388 / 7989348237

#23-2-241, Volta Hotel Lane, New Moghalpura, Hyderabad, T.S.

Ph: +91 6281040896 - Email: mujtabatextiles18@gmail.com - Web: www.mujtabatextiles.com

Follow us on facebook: https://www.facebook.com/mujtaba.textiles.1

Shoe world

Estd. 1963

STYLISH & QUALITY FOOT WEAR

SHOE WORLD CIRCLE

Pathergatti, Hyderabad. Ph.: 040 24576852

Urdu Monthly
SADA E SHIBLI
Hyderabad

September 2025 ستمبر

RNI: TELURD/2018/77022
ISSN: 2581-9216

Rs. 30/-

S.No.: 22-1-114, Jambagh, Kali Khabar Main Road, Dar-ul-shifa, Hyderabad - 500 024, TS
Off.: 5-3-989, 104, First Floor, Sherza Estates, N.S. Road, M.J. Market, Hyderabad - 500 095
email: kgnteasales@gmail.com

Editor, Printer, Published & Owned by Mohd. Muhamid Hilal
Printed at Daira Electric Press, #22-8-143, Chatta Bazar, Hyderabad. 500 002.
Published at #17-3-352, B1, 2nd Floor, Bafana Complex, Dabeerpura, Hyderabad - 23, T.S
Cell: 9392533661, 8317692718, Email: muhamidhilal@gmail.com